

ماہنامہ
مسلمان بچے
بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان
لاہور پاکستان
190
ذی الحجۃ ۱۴۴۴/جولائی 2023
جاپانی دجال
صدیوں کا راز
اس کے علاوہ
مستقل سلسلوں سے
مزین رنگارنگ شمارہ
ایک چشم کشا تحریر
2 لاکھ کا بیل

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور
پاکستان

بچوں کے
اسلامی، اخلاقی، تعلیمی
تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ بمطابق جولائی 2023ء
شمارہ: 12 جلد: 16

قیمت فی شمارہ: 70 روپے
سالانہ زرِ تعاون =/840 روپے

اپنی کہانیاں، مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیل رقم اور حصول رسالہ کیلئے:

مکتبۃ ابن مبارک
37۔ حق سٹریٹ
اردو بازار۔ لاہور
موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں









اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔



فرمان باری تعالیٰ

"اے ایمان والو! جو مال ومتاع ہم نے تم کو بخشا ہے تم اس میں سے (ہماری راہ میں ہمارے حکم کے مطابق) خرچ کرو، قبل اس کے کہ (قیامت کا) وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہو سکے گی، نہ کسی کی دنیوی دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی سفارش (کسی قابل سزا مجرم کو بچا سکے گی) اور نہ ماننے والے اصلی ظالم ہیں (جن کو قیامت میں اپنے ظلم کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا)" (البقرہ)

حمد باری تعالیٰ

جو پُر یقیں ہیں انہی کو اُٹھان دیتا ہے
خدا پرند کو اونچی اُڑان دیتا ہے
اسی کا کلمۂ توحید افضل و اعلیٰ
یہ دیکھ کر روز مؤذن اذان دیتا ہے
دعائیں مانگ اسی سے تو بے مکانی پر
وہی زمین پہ سب کو مکان دیتا ہے
اگر وہ چاہے ہرے کھیتوں کو کر دے تباہ
اُسی کے اِذن پہ فصلیں کسان دیتا ہے
غرور کس لیے تجھ کو ہے خوش کلامی پر
وہ چاہتا ہے تو شیریں زبان دیتا ہے
عطا وہ کرتا ہے جنت کی اُس کو ہر نعمت
جو اُس کے دیں کے لیے اپنی جان دیتا ہے
اُسی کی ذات پہ ساحل یقین رکھ، ورنہ
وہ انحراف پہ وہم وگمان دیتا ہے

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عید الاضحی کی نماز کے بعد ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

جس شخص نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی اور ہماری قربانی کی طرح قربانی کی، اس کی قربانی صحیح ہوئی، لیکن جس نے نماز سے پہلے قربانی کی، اس کی قربانی نہیں ہوئی۔



نعت رسول مقبول ﷺ

ہر نرالی شانِ زیبائی کا پیکر آپ ﷺ ہیں
انبیاء جتنے بھی آئے سب سے برتر آپ ﷺ ہیں
آپ ﷺ کی خاطر ہوا پیدا وجودِ کائنات
بزم عالم کے سبھی جلووں کا محور آپ ﷺ ہیں
گرچہ ہیں ان میں خلیل اللہ، کلیم اللہ بھی
لیکن اس چمن رسالت کے گل تر آپ ﷺ ہیں
صورت وسیرت کی رعنائی جمال اندر جمال
شان حسن کبریا کے بھی تو مظہر آپ ﷺ ہیں
تاج سلطانی کی شوکت اور ہیبت آپ ﷺ سے
دنیا و عقبیٰ کے اے آقا ﷺ سکندر آپ ﷺ ہیں
سب کی امیدوں کا مرکز ہے شفاعت آپ ﷺ کی
صاحب حمد ولو! شافعی محشر آپ ﷺ ہیں
آپ ﷺ کو حاصل ہیں دید و وصل کی سرشاریاں
بحر عرفانِ الٰہی کے شناور آپ ﷺ ہیں



ایک دعا یاد کیجئے

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَ النِّفَاقِ
وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ

ترجمہ: یااللہ! ہٹ دھرمی، نفاق اور برے اخلاق سے میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

سنن نسائی

ایک حدیث یاد کیجئے

لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یُّرَوِّعَ مُسْلِمًا

ترجمہ: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو ڈرائے۔

ترمذی

آئی عیدِ قرباں



ہے آنکھوں کا تارا ہمارا یہ بیل
بڑا ہم کو پیارا ہمارا یہ بیل
مجھے دیکھ لے تو یہ گھنٹی بجائے
بڑے لاڈ سے اپنے سر کو ہلائے
بڑا چوڑا ماتھا بڑے اس کے سم
بڑی اس کی آنکھیں ہے لمبی سی دم
کھائے گھاس یہ تو مرے ہاتھ سے
چاہے اس نے کھایا نہ ہو رات سے
نہیں شور کرتا ہے یہ با ادب
سبھی کو یہ جانے، اسے جانیں سب
بہت ہے یہ فربہ مگر ہینڈسم
آئی عید قرباں ہوئی آنکھ نم

یاسر فاروق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

عید الاضحیٰ مبارک

تقبل اللہ منا و منکم صالح الاعمال کل عام و انتم بخیر

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی قربانی اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

امید ہے کہ رسالہ آپ کو قربانی سے قبل مل جائے گا۔ چند باتیں ذہن نشین کریں۔

۱) اللہ تعالیٰ کو نہ تو قربانی کے جانور کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون، ان کے ہاں قابل قبول اور قابل قدر چیز صرف اور صرف اخلاص ہے۔ قربانی کے عمل کر دکھلاوے اور فخر میں ضائع نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قربانی کا جو جانور دیا ہے اس کی خوب خدمت کریں۔ خوب اکرام کریں لیکن کسی کے سامنے بھی اس پر فخر کا کوئی جملہ نہ بولیں اور نہ ہی مقابلے بازی کریں۔

۲) قربانی کا گوشت زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ اپنے گھر میں اس کی ترغیب دیں۔ بچے ایسا کریں گے تو بڑے بخوشی تقسیم کرنے پر راضی ہو جائیں، خود ضرور کھائیں لیکن زیادہ ذخیرہ اندوزی سے بچیں اور بچائیں۔ ان گھروں کا بطور خاص خیال رکھیں جہاں غربت کی وجہ سے قربانی نہیں ہوتی۔

۳) قربانی کے بعد ایذائے مسلم سے بچنے کا بھرپور اہتمام کریں۔ جانوروں کی آلائش، خون وغیرہ گھروں کے باہر نہ ڈالیں بلکہ خود تھوڑی سی مشقت اٹھا کر دور پھینک آئیں، ان شاء اللہ یہ عمل آپ کی قربانی کے اجر و ثواب کو مزید بڑھا دے گا۔ دوسروں کو بھی ادب، احترام اور محبت کے ساتھ اس کی ترغیب دیں۔ انسان کی جو عبادت دوسروں کے آزار کا سبب بن جائے اس کا اجر و ثواب کم ہو جاتا ہے۔

۴) جن بچوں کے والدین حقیقتاً غربت کی وجہ سے قربانی نہیں کر پاتے وہ نہ تو دل چھوٹا کریں اور نہ ہی اپنے والدین کو اس سلسلے میں تنگ کریں۔ان کا یہ صبر ان کی طرف سے بہترین قربانی ہوگی۔رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایسے امتیوں کی طرف سے خود قربانی فرمائی۔آج بھی رسول اللہ ﷺ کے کئی دردمند امتی ایسے ہوں گے جو اس سنت پر عمل کر رہے ہوں گے۔اس لئے دل میں شکوہ نہ لائیں۔آپ کی طرف سے مقبول قربانیاں بارہ گاہ الٰہی میں پہنچ رہی ہوں گی۔ان شاء اللہ تعالیٰ

۵) آپ کے آس پاس جن گھروں میں قربانی نہ ہو ان کے بچوں کو اپنے گھر لا کر اپنی قربانی کی خوشی میں شریک کریں اور جاتے وقت اپنے والدین سے گوشت لے کر انہیں دے کر رخصت کریں۔

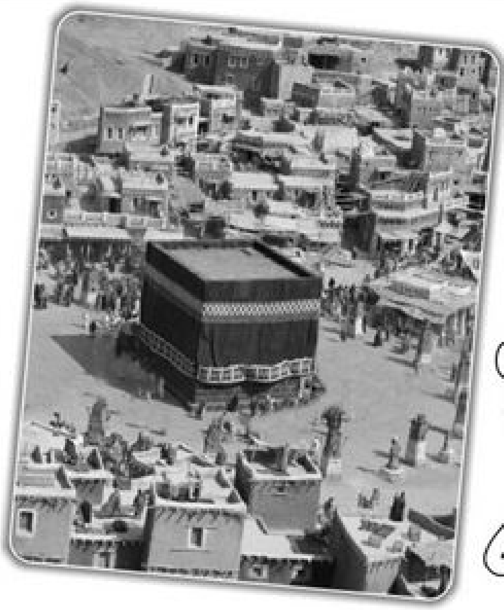
٦) امت مسلمہ کے وہ مظلوم افراد جو ہر وقت حالتِ قربانی میں ہیں انہیں دعاؤں اور دلی جذبات میں یاد رکھیں۔ہم اگر انہیں بھول گئے تو ''امت'' کے اعزاز سے محروم ہو جائیں گے اور یہ بہت بڑی محرومی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو اسامہ



محمد فیصل علی

صدیوں پرانا راز

اُفق پہ نیلگوں روشنی پھیل چکی تھی جو صبح کی آمد کا اعلان کر رہی تھی۔ نیکو، پیکو اور شیکو ابھی تک اونگھ رہے تھے کہ یکا یک گاڑی کا شور سنائی دیا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ ان کی امی پہلے ہی جاگ چکی تھیں۔ گاڑی کے شور اور آدمیوں کی آوازیں سن کر ان کی پیشانی پہ تفکر کی لکیریں پھیل چکی تھیں۔

”کہیں ان کے جانے کا وقت تو نہیں آگیا؟“ وہ دل ہی دل میں بڑبڑائیں

اُن کے ذہن میں طرح طرح کے خدشات سر اٹھا رہے تھے اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ان کے کمرے کا دروازہ دھکے سے کھلا اور تین چار لوگ اندر داخل ہوئے۔ وہ زور زور سے بول رہے تھے۔ نیکو، پیکو اور شیکو انہیں سراسیمہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے:

”ہاں بھئی، پکڑو انہیں اور ڈالو گاڑی میں، جلدی!! لیٹ ہو رہے ہیں ہم۔“

ایک آدمی نے ان تینوں کی طرف اشارہ کیا اور وہ لوگ انہیں پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ ان کی امی ”میں میں میں“ کی صدائیں لگا کر آہ و زاریاں کرتی رہ گئی لیکن یہ سب بے سود ثابت ہوا۔ اسے بچوں کی جدائی کے ساتھ ساتھ ایک دکھ اور بھی تھا لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ دکھ کیا ہے۔ اسی وقت گاڑی کا شور سنائی دیا اور گاڑی نیکو پیکو اور شیکو کو لیے منڈی کی طرف رواں دواں ہو گئی۔ ان کی ماں ”بی رانی“ کا دکھ گہرا ہوتا جا رہا تھا اور وہ دھم سے نیچے بیٹھ گئی تھی۔ اس کے لبوں پہ اپنے بچوں کے لیے دعائیں جاری ہوگئیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

”ارے میاں!! ذرا اس بکرے کی قیمت تو بتانا۔“ ایک چشماٹو لڑکے نے شیکو کو گھورتے ہوئے پوچھا تھا اور شیکو برا سا منہ بنا کر رہ گیا، اسے اپنا ہونے والا مالک ایک آنکھ کیا، آدھی آنکھ بھی نہ بھایا تھا۔

”یہ پورے ساٹھ کا ہے۔“شیکو کے مالک

نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے خریداروں کو طیش دلا دیا تھا۔

''کیا کہا ؟؟ ساٹھ؟'' چشما ٹو پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

''جی ہاں صاحب جی !!'' مالک نے اطمینان سے کہا۔

''ہونہہ !!! کیا یہ بکرا کیمیا گر ہے؟ یا اس کے سینگ سونے کے بنے ہوئے ہیں؟'' چشما ٹو نے جلے کٹے لہجے میں طنز کیا تھا۔

''جو سمجھ لو بھایا، اگر تم ایسے ہی تنگدست، تنگ دل اور تنگ نظر ہو تو خود پال لیا کرو نہ بکرے !!!''

مالک نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور لفظ ''تنگ'' سے کئی سابقے بنا ڈالے۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے مشورے کا شکریہ، ہمیں بھی مل جائے گا بکرا، اور تم یہاں کھڑے سڑتے رہو۔'' چشما ٹو نے ایک ایک لفظ کو غصے سے چباتے ہوئے کہا۔

''ابے جا! اوئے جا!'' مالک نے غصے سے تپتے ہوئے کہا تو چشما ٹو منہ بناتا چلا گیا۔

منڈی میں سارا دن یہی تماشا مچا رہا۔ پہلے پہلے تو تینوں بھائیوں نے خوب تفریح کی۔ بھانت بھانت کے آدمی اور رنگا رنگ جانوروں کا میلہ جو لگا ہوا تھا لیکن آخر کار وہ اُکتا گئے۔ اب نیکو پیکو اور شیکو کا مارے بھوک اور تھکن کے برا حال تھا۔ آخر خدا خدا کر کے شام ہوئی اور ان کا مالک ناکامی سے منہ لٹکائے واپس گھر روانہ ہوا۔

❀......❀......❀

''امی !!!! امی !!! ہم آ گئے۔'' تینوں چلاتے ہوئے ماں کی طرف لپکے تو ماں کے کلیجے میں ٹھنڈسی پڑ گئی۔ وہ ان تینوں کو پیار کرنے لگی۔ وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ چپٹے ہوئے تھے۔

''امی امی !! آج میں آپ کو منڈی کے دل چسپ قصے سناؤں گا۔'' پیکو نے ہنستے ہوئے کہا

''ہاں سنانا لیکن پہلے کچھ کھا پی تو لو!'' اس کی امی نے کہا۔

''جی امی ٹھیک ہے۔'' تینوں بچوں نے سعادت مندی سے سر جھکا کر کہا اور اپنی امی کی بات فوراً مان لی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ سب خوب باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ اب ان تینوں کو نیند آ رہی تھی اور وہ جمائیوں پہ جمائیاں لے رہے تھے۔

''امی !!!'' پیکو نے صدا لگائی۔

''جی بولو !!''

''امی !! لگتا ہے کہ آپ ہمیں کچھ بتانا چاہ رہی ہیں؟'' پیکو نے انھیں غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بیٹا! یہ ایک اہم بات ہے، یہ صدیوں پرانا راز ہے جو تمھیں بتانا ضروری ہے۔'' امی نے سنجیدگی سے کہا

''ٹھیک ہے، کیا یہی ہے وہ راز؟'' شیکو نے چمڑے کا ایک پھٹا ہوا ٹکڑا لہرایا تو بی رانی اچھل

پڑیں

''یہ تم نے کیوں اٹھایا تھا، یہ تو پھٹ گیا ہے اف شیکو اف !!!'' انہوں نے وہ دستاویز اس کے ہاتھ سے چھین لی تھی۔

''امی !! معاف کردیں، یہ میں نے کیا تھا۔'' پیکو نے سر جھکا کر کہا تو بی رانی ایک گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

''چلو کوئی بات نہیں، اس کا مطلب ہے اب مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہ راز جان چکے ہو؟'' امی نے پوچھا

''نہیں امی !! ہم یہ راز نہیں جان پائے، اصل میں ہوا یہ کہ ہم اس دستاویز کو چھیننے لگے تھے جس کی وجہ سے یہ پھٹ گئی اور اس کے باقی ماندہ حصے ہوا میں اڑ گئے، اس لیے۔''

شیکو نے کہا تو امی سر ہلانے لگیں، جیسے انھیں بات سمجھ آگئی ہو، کچھ دیر بعد وہ گویا ہوئیں:

''چلو بچو! میں تمہیں ساری بات بتاتی ہوں۔ صندوق میں جو کاغذات پڑے تھے، یہ صدیوں سے ہم جانوروں کے خاندان میں چلے آرہے ہیں، ان میں ایک راز ہے۔ وہ راز یہ ہے کہ ہم اپنا مقصد جان لیں اور ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم نے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انسانوں کی خدمت کرتے ہیں، ان کے لیے سواری بن کر، انہیں گوشت اور دودھ فراہم کر کے، اور اس کے علاوہ ہمارا ایک مقصد سنت ابراہیمی کی ادائیگی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا بھی ہے۔''

''سنت ابراہیمی کیا ہے امی !!!'' پیکو نے پوچھا۔

وہ تینوں یہ باتیں توجہ سے سن رہے تھے، امی گویا ہوئیں:

''سنت ابراہیمی سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت اور طریقہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنے شیر خوار بیٹے اور بیوی کو ایک ویران جگہ پہ چھوڑ دیا تھا۔ ان دونوں کی وجہ سے وہ جگہ آباد ہوئی اور آج اسے مکہ مکرمہ کہا جاتا ہے۔ ان کی بیوی کا نام حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور بیٹے کا نام حضرت اسماعیل علیہ السلام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نفوس کی مدد کی اور ان کے لیے اس پتھریلی زمین سے پانی کا چشمہ جاری کیا، جسے آج زم زم کہا جاتا ہے۔ پانی کو دیکھ کر وہاں سے گزرنے والا قافلہ وہیں مقیم ہوگیا۔ یہ قبیلہ جرہم کے لوگ تھے اور پھر بہت جلد اس ویران جگہ میں آبادی ہوگئی۔ کچھ عرصہ بعد ابراہیمؑ لوٹے تو وہاں کی چہل پہل دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے اپنے بیٹے اور بیوی کو تلاش کیا اور سارا ماجرا پوچھا۔''

امی نے یہاں تک سنا کر ایک گہری سانس لی پھر کہنے لگیں:

''ان دونوں کی کہانی سن کر حضرت ابراہیم

علیہ السلام بہت خوش ہوئے کہ اللہ نے ان کے کنبے کی کیسے مدد کی، کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں خواب کے ذریعے حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو قربان کریں۔ چونکہ نبی کا خواب وحی ہوتا ہے اس لیے انہوں نے اس خواب کا ذکر بیٹے سے کیا تا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کیا جائے، ان کے بیٹے بھی اللہ کے نبی تھے، لہٰذا وہ فوراً تیار ہو گئے۔

اب وہ ایک ویران جگہ پہنچے اور اپنے بیٹے کو باندھ کر اللہ کے نام پہ قربان کرنا چاہا لیکن اللہ کا حکم آیا اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے اسماعیل (علیہ السلام) کو ہٹا کر ان کی جگہ ایک دنبہ رکھ دیا، ابراہیم علیہ السلام نے چھری چلانے کے بعد اپنی آنکھوں سے پٹی ہٹائی تو وہ ششدر رہ گئے کہ اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ایک دنبہ قربان ہوا پڑا ہے، اسی وقت آواز آئی:

”اے ابراہیم !! آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، یہ بڑی آزمائش تھی جس میں آپ پورے اترے ہو۔“

اب مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ سنت ابراہیمی کو ادا کرتے ہوئے قربانی کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے سچے جذبے کی یاد زندہ رہے۔ ہمیں فخر ہے کہ یہ سنت ہم جانوروں کے ذریعے ادا ہوتی ہے، اس لیے ہم اپنے بچوں کو پال پوس کر انھیں ان کا مقصد بتاتے ہیں تا کہ وہ خوش دلی سے اللہ کی راہ میں قربان ہوں۔“

امی یہاں تک کہہ کر رک گئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ نیکو شیکو اور پیکو کے چہروں پہ جوش و ولولے کے تاثرات عیاں ہیں، اسی وقت پیکو کی آواز سنائی دی:

”امی امی!! کیا ہم بھی سنت ابراہیمی کو ادا کریں گے؟“

”ہاں تو اور کیا، مجھے فخر ہے کہ میرے تینوں بچے اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کریں گے۔“

ان کی امی نے کہا لیکن ان کا لہجہ مادرانہ شفقت کی وجہ سے بھرا گیا تھا۔ امی کی یہ بات سن کر تینوں ان سے لپٹ گئے اور امی انہیں پیار کرنے لگیں۔ اب وہ چاروں قربانی کے جذبات سے سرشار تھے، کیوں کہ جان کی قربانی سے زیادہ اہم یہ تھا کہ یہ حکم کس کا ہے۔

”اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کے لیے“

بی رانی زیرلب یہی الفاظ دہرائے جا رہی تھیں کیوں کہ یہی تو صدیوں پرانا راز تھا۔ یہ الفاظ ان کے دلوں میں سکون اور مضبوطی پیدا کر رہے تھے۔

کچھ دنوں بعد عید کے روز شیکو، پیکو اور نیکو قربان ہونے کے لیے زمین پہ لیٹے ہوئے تھے، اُن کی آنکھیں بند تھیں اور وہ دل ہی دل میں کہہ رہے تھے:

”اللہ تعالیٰ کے لیے، اللہ تعالیٰ کے لیے“

❀ ...... ❀ ...... ❀



ابابیلیں آیا چاہتی ہیں

ام محمد عبداللہ

عجب اداسی اور بے چینی ہر جانب بکھری پڑی تھی۔ ہوا ساکت اور فضا مضمحل تھی۔ معمر خاتون امل عواد اپنے گھر کی ٹوٹی ہوئی کھڑکی کے شیشے سے باہر جھانک رہی تھیں۔ ان کی ٹانگوں سے لپٹے ان کے یتیم پوتا، پوتی خوفزدہ نظر آرہے تھے۔ انہیں خود تو جیسے ہراساں رہنے کی عادت ہو چکی تھی۔

کل 13 فروری 2023 کی رات کو اسرائیلی آباد کاروں کے ایک گروپ نے آدھی رات کو ان کی زمین کو گھیر لیا تھا۔ گھر پر حملہ کرنے سے پہلے انھوں نے گاڑی کی کھڑکیوں اور سولر پینلز سمیت تمام شیشے توڑ ڈالے تھے۔ ان کی حرکتیں سی سی ٹی وی کیمرے میں قید ہوگئیں تھیں۔ وہ سب بیس بال کے بلے کے ساتھ بھوت جیسے نظر آرہے تھے۔

باہر کے اجڑے مناظر سے نگاہ ہٹا کر انہوں نے اپنے بارہ سالہ پوتے مسلم اور دس سالہ پوتی ھدیل کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

”میرے پیارو! جنت بہت خوبصورت ہے“ وہ مسکرائیں تو جنت کے تصور سے معصوم بچے بھی مسکرا دیئے۔

”دادی

جان! جنت میں اسرائیلی آباد کار نہیں ہوں گے ناں؟" ننھی ہدیل نے روز کی طرح آج بھی یقین دہانی چاہی

"اور وہاں سب پیغمبران کرام جمع ہوں گے ناں جو مسجد اقصیٰ میں شب معراج کو جمع تھے؟" مسلم کی معصوم نگاہیں بھی دادی جان کے جھریوں بھرے چہرے پر جمی تھیں

"وہاں ہمیں مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے سے کوئی نہیں روکے گا ناں؟" مسلم بدستور دادی جان کی جانب دیکھ رہا تھا

"جی ہاں!" دادی جان نے انہیں یقین دلایا تو وہ دونوں کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشوں کو جمع کرنے لگے۔

❁......❁......❁

مقبوضہ مغربی کنارے میں موجود ان کا مکان ایک غیر پلاسٹر شدہ کنکریٹ کا ڈھانچہ تھا جس کے چاروں طرف جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ یہ مکان بظاہر عجلت میں تعمیر کیا گیا لگتا تھا لیکن امل عواد کی طرح یہ مکان بھی یہاں کئی دہائیوں سے موجود تھا۔

سن 1993ء کے اوسلو امن معاہدے کے تحت مغربی کنارے کو تین علاقوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ امل اس تقسیم کے سب سے بڑے علاقے ایریا سی میں رہتی تھیں جس پر اسرائیلی کنٹرول ہے۔

دادی جان بچوں کو کھیلتے دیکھ کر باورچی خانے کی جانب مڑ گئیں، جانتی تھیں کہ بچوں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ مگر ان کے دل کی طرح باورچی خانہ بھی سائیں سائیں کر رہا تھا۔

❁......❁......❁

"امل خالہ! امی جان نے بچوں کے لیے کھجوریں بھجوائی ہیں۔" سینان ان کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی

"امی جان کہہ رہی ہیں نماز کے لیے مسجد الاقصیٰ جانا ہے۔ علامہ عکرمہ صبری نے مسجد کے دفاع اور تحفظ کے لیے ایک بار پھر سب کو وہاں نماز ادا کرنے کی کال دی ہے۔" امل کی بھانجی سینان جو ان کے پڑوس ہی میں رہتی تھی جانے کیسے ان حالات میں بھی ہر وقت مسکراتی رہتی تھی۔

امل کھجوریں لے کر باہر بچوں کے پاس آگئیں جہاں وہ کھیل رہے تھے۔

"میں فلسطینی بچہ ہوں اور تم اسرائیلی فوجی، میں تمہیں پتھر مار کر ہلاک کر دوں گی۔" ہدیل کھیل کا پلان بتا رہی تھی

"نہیں پتھر سے کوئی نہیں مرتا۔ تم مجھے پتھر مارو گی اور میں تمہیں پہلے زور سے تھپڑ ماروں گا پھر جب تم گر جاؤ گی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"ہاں! یوں ٹھیک ہے، پھر میں مر کر جنت میں ابو امی کے پاس چلی جاؤں گی۔ سنو! تم دادی کو بھی گولی مار دینا وہ اکیلے یہاں ڈریں گی۔"

امل بچوں کا روز کا کھیل دیکھ کر وحشت زدہ دل لیے گھر سے باہر چلی آئیں

سامنے ان کی بہن شیرا اپنے گھر کے سامنے سے کچرا ہٹا رہی تھیں۔

امل کو آتے دیکھ کر وہ زور زور سے کہنے لگیں: ''ان کی یہ پرتشدد مہم ہمیں ہماری زمین سے نکالنے کے لیے ہے۔ ہم اپنے گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔''

امل شیرا کے قریب ہی ایک پتھر پر جا کر بیٹھ گئیں۔

''پتا نہیں شیرا!

میں نے تو وقت کے ساتھ ان اسرائیلی آباد کاروں کو دلیر ہوتے ہی دیکھا ہے۔

پہلی بار یہ اکتوبر 2021ء میں حملہ آور ہوئے تھے جب انہوں نے ہمارے گھروں پر پتھراؤ کیا تھا۔ ہم انہیں روک نہیں سکے تھے۔ پھر بیس روز بعد انہوں نے آ کر ہمارے گھروں پر کالی مرچوں کا سپرے کیا اور باڑ اور کھڑکیاں توڑ دیں۔

وہی کھڑکیاں تو یہ دو سال لگا کر میں نے ٹھیک کی تھیں جنہیں یہ ظالم کل پھر توڑ گئے ہیں۔'' امل کی آنکھیں خشک تھیں مگر ان کا دل رو رہا تھا

''یہاں مغربی کنارے میں یہودی آبادکاری بین الاقوامی قانون کی نظر میں غیر قانونی ہے پھر یہ ہمیں یہاں ہمارے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟'' شیرا بھی بہت بے چین تھی

''یہ درندے کون سا بین الاقوامی قانون مانتے ہیں؟ کون سے انسانی حقوق کی پاسداری کرتے ہیں؟ یہ تو ہمیں ہماری اس مقدس و مبارک سرزمین سے بے دخل کر کے یہاں قبضہ چاہتے ہیں، ساری دنیا کے وسائل اور آبادی پر اپنا شیطانی راج مسلط کرنا چاہتے ہیں۔'' امل عواد کا بچپن اور جوانی نکبہ سے لے کر عرب اسرائیل جنگوں اور امن معاہدوں تک سب کے گواہ تھے

''سال کے آغاز سے اب تک 600 حملے ہو چکے ہیں۔ میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک حفاظتی گروپ تشکیل دیا ہے۔ ہم باری باری گاؤں کی حفاظت کے لیے پہرا دیں گے۔'' فواد حسن جو اسی محلے کا ایک جوان تھا انہیں حوصلہ دینے چلا آیا

''تم دو چار ہو، ان کا گروپ بہت بڑا ہوتا ہے ان کے پاس ہتھیار بھی ہوتے ہیں، تمہارے پاس پتھروں کے سوا ہے ہی کیا؟'' شیرا نے مایوسی سے کہا

''ان پتھروں میں اللہ عزوجل ابابیل کے کنکروں جیسی طاقت بھر دے گا۔ ان شاء اللہ''

فواد نے عزم سے کہا تو شیرا اور امل کی نگاہوں میں بھی امید کے دیپ جل اُٹھے

''نماز کا وقت قریب ہے آؤ مسجد اقصیٰ کی طرف چلیں!''

ابابیلیں آیا چاہتی ہیں
عجیب قافلہ ہے یہ
لٹا پٹا کٹا پھٹا

ہزار خون میں بہہ گیا
بدن کے چیتھڑے بھی اڑ گئے
سامان زیست بکھر گیا
مگر ہے تن کے کھڑا ہوا
فصیل اقصیٰ بنا ہوا
ہاں اس یقیں کے ساتھ،
کہ ابابیلیں آیا چاہتی ہیں
دعاء محض کے سوا
ہمارے پاس ہے اور کیا
تمہاری نصرت خدا کرے،
اللہ عزوجل جبرئیل امیں کو بھیج کر
تمہارے لیے
کامرانیوں کے در وا کرے
عقیدتوں کے پھول ہیں
تمہارے واسطے
دل میں ہمارے کھلے ہوئے
اقصیٰ کے محافظ!
تمہاری نصرت خدا کرے
جبرئیل امیں کو بھیج کر
تمہارے واسطے
کامرانیوں کے در وا کرے
تمہارے حوصلے بلند کرے
ہاں اس یقیں کے ساتھ
کہ ابابیلیں آیا چاہتی ہیں

دکھ اور تکلیف کے لمحے میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی کام سخت تکلیف و پریشانی میں ڈال دیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعاء فرمایا کرتے تھے:

يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ

”اے زندہ اور ہمیشہ رہنے والے! آپ کی رحمت کے وسیلے سے آپ کی مدد چاہتا ہوں“

انتخاب: رابعہ کلثوم

سنن ترمذی

امل اور شیرا کے گاؤں سے میلوں دور احمد اور علی کے دل سرزمین انبیاء فلسطین کے لیے دھڑک رہے تھے اور ان کے قلم ان کی ڈائری میں لکھ رہے تھے:

”فلسطینی مسلمانوں اور مسجد اقصیٰ کے نام
ہمیں تم سے محبت ہے
ہمارے دل تمہارے ساتھ کلمہ لا الہ الا اللہ پر دھڑکتے ہیں۔
تم ہماری دعاؤں میں ہو۔
ہم اپنی آواز اور اپنے قلم سے اپنے علم و عمل اور اپنی جان اور اپنے ہتھیاروں سے بھی سے تمہارا دفاع کریں گے۔ ان شاء اللہ

قربانی



محمد ذیشان فرخ

''ابو! بکرا کب لائیں گے؟'' ساجد کئی دنوں سے اپنے ابو سے بکرا لانے کی ضد کر رہا تھا۔ عید میں دس دن باقی رہ گئے تھے اور محلے میں جانوروں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ دوسرے لوگوں کے جانوروں کو دیکھ کر ساجد بھی اپنے ابو سے ضد کر رہا تھا۔

''بیٹا! کل چھٹی کا دن ہے۔ ان شاء اللہ ہم کل صبح صبح بکرا لینے منڈی جائیں گے۔'' ابو کے اعلان پر ساجد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس نے سب دوستوں کو بتا دیا کہ کل اس کا بکرا آ رہا ہے۔

ساجد کو اگلے دن کا بے تابی سے انتظار تھا۔ رات کو بھی اس کو نیند بڑی مشکل سے آئی تھی۔ آخر رات کے کسی پہر وہ نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔ خواب میں بھی وہ بکرا منڈی میں اپنے ابو کے ہمراہ بکرے دیکھ رہا تھا کہ اس کی امی نے اس کو آواز دے کر جگا یا۔ معمول کے مطابق اس کی امی نے اسے فجر کی نماز کے لیے جگایا تھا۔ ساجد وضو کر کے اپنے ابو کے ساتھ مسجد گیا۔ فجر کی نماز کے بعد اس کے ابو نے بکرا لینے جانا تھا۔ گھر آ کر ساجد فوراً تیار ہوا اور اپنے ابو کے ساتھ بکرا منڈی روانہ ہوا۔

بکرا منڈی میں صبح سویرے ہی بہت رش تھا لوگ اپنی اپنی پسند کے جانور دیکھ رہے تھے۔ خریدار بھاؤ تاؤ کر رہے تھے۔ ہر طرف عجیب سی رونق تھی۔ ایسی رونق عید الاضحیٰ کے موقع پر ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ساجد اور اس کے ابو نے بھی بکرے دیکھنا شروع کیے۔ ساجد بڑی دلچسپی سے بکروں کو دیکھ رہا تھا اور خریداری کے ہر معاملے میں پیش پیش تھا۔ بڑی تلاش کے بعد ایک مناسب بکرا پسند آ گیا۔ ساجد نے محبت سے بکرے کے گلے میں ہاتھ ڈالا۔ بکرے سے ساجد کی دوستی کی شروعات ہو چکی تھی۔

گھر واپس آ کر ساجد بکرے کے لیے چارا لے آیا۔ محلے کے لڑکے اور ساجد کے دوست بھی آ گئے تھے۔ ساجد سب لڑکوں سے بکرے کا تعارف کرا رہا تھا۔ چارا کھلانے اور پانی وغیرہ دینے کے بعد ساجد بکرے کو محلے میں گھمانے پھرانے نکل گیا۔ اب عید تک ساجد کا ایک ہی کام تھا۔ بکرا اور اس کی آؤ بھگت۔

چند دنوں میں ساجد اپنے بکرے سے بے انتہا پیار کرنے لگا تھا۔ بکرا بھی ساجد کو دیکھ کر "میں میں" کرنے لگتا۔ ساجد نے اس کی خوب خاطر مدارت کی۔ بکرا اس کو دنیا کی سب سے قیمتی چیز لگنے لگا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ جس چیز سے آپ کو پیار ہو جائے، وہ آپ کو دنیا کی سب سے قیمتی چیز لگتی ہے اور اس سے جدائی انسان کی برداشت سے باہر ہو جاتی ہے۔

عید میں دو دن باقی تھے۔ ساجد بکرے کے پاس اداسی سے کھڑا تھا۔ اس وقت بکرا چارہ کھا رہا تھا اور ساجد پیار سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کو یہ سوچنا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ دو دن بعد اس کا پیارا دوست اس سے جدا ہو جائے گا۔ ساجد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اچانک اسے ایک خیال آیا۔ وہ دوڑتا ہوا ابو کے پاس گیا۔

"ابو! میری ایک بات مانیں گے؟" ساجد کی بات سن کر ابو نے کہا

"بیٹا! کیا بات ہے؟ کون سی بات کرنی ہے؟"

"ابو! ہم دوسرے بکرے کی قربانی کر لیتے ہیں۔ اس بکرے کو پال لیتے ہیں۔ یہ میرا بہت اچھا دوست بن گیا ہے۔ اب میں اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔" ساجد نے کہا

"بیٹا! آپ کو معلوم ہے کہ عید الاضحیٰ کیوں منائی جاتی ہے؟" ساجد کی بات سن کر ابو مسکرائے اور ساجد سے کہا

"جی ابو! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کا خواب میں حکم ملا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کو پورا کرتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کا فیصلہ کیا لیکن جب وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے لگے تو اللہ نے ایک مینڈھا بھیج دیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ وہ مینڈھا ذبح ہو گیا۔ اس لیے مسلمان جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔" ساجد نے تفصیل سے ابو کو عید الاضحیٰ کی وجہ بتائی۔

"بیٹا! آپ نے بالکل صحیح بتایا لیکن بیٹا! اللہ کے ہر حکم کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ دیکھو! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تو انھوں نے اللہ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا اور بیٹے کی محبت کو اللہ کے حکم کے آگے قربان کر دیا۔

بیٹا! ہمیں یہ جو قربانی کا حکم ملا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے ہر حکم کے آگے ہم سر جھکا دیں اور اس کے ہر حکم کو پورا کریں اور ساتھ ہی یہ مقصد بھی ہے کہ وقت پڑنے پر اپنی عزیز ترین اور سب سے پیاری چیز کو بھی اللہ کی راہ میں قربان کر دیں۔

بیٹا! آج یہ بکرا تم کو کتنا عزیز اور پیارا ہے؟"

ابو کے سوال پر ساجد نے کہا۔

''ابو! یہ مجھے بہت عزیز ہے اور میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔''

''تو بیٹا! یہی تو اصل قربانی ہے کہ اپنی پیاری چیز کو اللہ کے حکم پر قربان کر دیا جائے۔ اگر اس بکرے کی جگہ دوسرا بکرا لے آئیں تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ ہم اپنی عزیز چیز کو اللہ کو دینے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ بیٹا! تمھیں آج اس جانور سے بے حد محبت ہے اور تم اس سے جدا نہیں ہونا چاہتے تو اگر تم دل سے اللہ کی راہ میں اس کی قربانی دو گے تو اللہ بہت خوش ہوں گے۔'' ساجد کے ابو نے اس کو سمجھایا

''جی ابو! میں سمجھ گیا۔ میں دل سے اس بکرے کی قربانی اللہ کی راہ میں پیش کرتا ہوں اور اس بکرے کو خوشی خوشی اللہ کی راہ میں رخصت کروں گا۔ اللہ مجھ سے بہت خوش ہوں گے۔'' ساجد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

اگلے دو دن وہ بکرے کی خدمت میں مصروف رہا۔ عید کا دن آ گیا۔ ساجد کا دل کسی چیز میں نہیں لگ رہا تھا۔ اس کا دوست آج اس سے جدا ہونے والا تھا۔ وہ فجر کی نماز پڑھ کر بکرے کے پاس ہی کھڑا تھا اور محبت سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

''بیٹا! عید کی نماز کے لیے چلیں؟'' اس کے ابو نے اس کو پکارا

عید کی نماز پڑھ کر واپس آئے تو محلے میں قربانی کا آغاز ہو چکا تھا۔ سنت ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے جانوروں کی قربانی ادا کی جا رہی تھی۔ ابو نے بکرے کی رسی کھولی۔ ساجد نے جذباتی انداز میں بکرے کو گلے لگا لیا۔ بکرے نے ''میں میں'' کی اور ساجد کی طرف دیکھا۔ ساجد کے ابو کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔

''ابو! میں اللہ کی راہ میں اپنے پیارے دوست کو قربان کرتا ہوں۔'' ساجد نے رندھی ہوئی آواز سے یہ الفاظ ادا کیے تو ابو نے اس کو گلے سے لگا لیا

''بیٹا! اللہ تمہاری قربانی قبول فرمائے۔'' یہ کہتے ہوئے ابو نے بکرے کو قصائی کو تھما دیا۔ قصائی نے بکرے کو قبلہ رخ لٹایا اور ابو نے ''بسم اللہ'' پڑھتے ہوئے بکرے کے گلے پر چھری پھیری

ساجد رو رہا تھا کیونکہ رونا تو ایک فطری عمل ہے لیکن اس رونے کے ساتھ ساتھ ایک جذبہ بھی تھا۔ وہ جذبہ قربانی کا جذبہ تھا۔ آج ساجد نے اپنے دوست کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا تھا۔

ساجد نے عہد کیا تھا کہ جس طرح آج اس نے اللہ کی رضا کے آگے سر جھکا دیا، آئندہ بھی وہ اللہ کے ہر حکم کو پورا کرے گا اور اللہ کی راہ میں کسی قربانی سے کبھی دریغ نہیں کرے گا

خطرناک بھیڑیے

سیدہ ناجیہ شعیب احمد

ہرے بھرے پہاڑوں کی دوسری طرف ایک بہت خوبصورت جنگل تھا جس میں طرح طرح کے چرند پرند رہتے تھے۔

ایک مرتبہ کئی دن تک موسلا دھار بارشیں ہوئی جس سے دریا اور جھیلوں کا پانی اوپر آگیا اور جلد ہی قریب کے حصے میں سیلاب آگیا۔ جنگل چونکہ نشیب میں واقع تھا سو پہاڑوں سے پانی کا سیلابی ریلا تیزی سے بہتا ہوا آیا اس پانی کا بہاؤ اتنا تیز تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اپنے ساتھ جنگل کے جانوروں کے گھر، درخت پر بنے گھونسلے سب بہالے گیا۔ ہنستے بستے مکین بے گھر و بے آسرا ہو گئے۔ کئی معصوم چھوٹے جانور جو تیرنا نہیں جانتے تھے پانی میں ڈوب کر اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے جو بچ گئے وہ ابھی تک پانی میں پھنسے ہوئے ہاتھ پیر مار رہے تھے کہ اچانک بھیڑیوں کا گروہ وہاں آپہنچا جو جانور زندہ تھے انہوں نے انہیں مدد کے لیے پکارا:

پیارے بچو!

پہاڑوں کی دوسری طرف رہنے والا خطرناک بھیڑیوں کا گروہ بڑا ہی خونخوار اور وحشی کہلاتا تھا،



یہ سب بہترین شکاری ہونے کے علاوہ زبردست تیراک بھی تھے۔ کافی دنوں سے انہیں کوئی شکار ہاتھ نہیں لگا تھا۔ وہ سب خودغرض اور بے رحم تھے وہ تو ہمیشہ دوسروں کا شکار کرتے آئے تھے آج بجائے شکار کرنے کے وہ ان مصیبت زدوں کی مدد کریں ایسا کیسے ممکن ہے؟

پانی میں ڈوبتے ہرن، نیل گائے، زیبروں

کو دیکھ کر ان کی رالیں ٹپکنے لگی تھیں۔ لالچی بھیڑیئے دل ہی دل میں خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ آہا آہا آہا واہ واہ دیکھو تو یہاں شکار خود شکاریوں سے مدد طلب کر رہا ہے۔

"چلو ہمیں کئی دنوں تک شکار کرنے کے لیے مشقت نہیں اٹھانا پڑے گی۔ سیلابی ریلے میں پھنسے ان معصوم جانوروں کو مدد کا جھانسا دے کر آرام سے بے وقوف بنایا جا سکتا ہے۔"

ان سب کے لیڈر نے سرگوشی میں کہا۔ تو ان کا ایک ساتھی بے صبری سے بول اٹھا:

"جو کرنا ہے جلدی کرو مجھ سے بھوک برداشت نہیں ہو رہی۔"

"جلدی کیسے کریں؟ ہم چھ ہیں۔ جانوروں کو ایک ایک کر کے پانی سے نکال کر محفوظ مقام پر لاتے ہوئے ہی کافی وقت لگ جائے گا۔"

لنگڑا بھیڑیا سمجھداری سے بولا تو دم کٹے بھیڑیے نے بے تابی سے کہا:

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ سب سے پہلے تو اس تگڑے بھینسے کو دبوچو کہیں اسے سیلابی ریلا بہا کر نہ لے جائے اور ہم سب کھڑے منہ تکتے رہ جائیں۔"

تین بھیڑیئے موٹے تازے بھینسے کو دبوچنے کی کوشش کرنے لگے، باقی تین بھیڑیوں نے بہتے پانی پر درختوں کے بڑے بڑے تنے گرا کر بند سا بنا دیا معصوم جانور تیزی سے تیرتے ہوئے آتے، پانی گزر جاتا ہے اور وہ درختوں کے تنوں میں پھنس جاتے۔ چالاک بھیڑیے اپنی کامیابی پر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے۔ یوں انہوں نے کئی چھوٹے بڑے جانور پکڑ لیے۔ ان میں سے جو صحیح سلامت تھے وہ مزاحمت کرتے ہوئے زخمی ہو گئے تھے اور کئی شدید زخمی ہو کر نیم مردہ حالت میں آخری سانسیں لے رہے تھے۔ سب سے بڑی تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہ سب ہمت ہار چکے تھے۔ سیلابی بارش سے تو ان کے گھر اُجڑے تھے مگر یہ بھیڑیئے تو ان کی نسل اُجاڑنے کے درپے تھے۔ مصیبت زدہ جانور آسمان سے گر کر کھجور میں جا اٹکے تھے۔

طوفانی بارش تھم چکی تھی۔ پانی کیچڑ کی صورت میں اپنے نشان چھوڑ گیا تھا۔ جھیل میں پانی کی طغیانی میں کمی کے باعث پانی بھی اب لیول پر آ گیا تھا۔ ماحول نے سکوت کی چادر اوڑھ لی تھی۔ کیچڑ میں لت پت بھینسا، نیل گائے، بارہ سنگھا، ہرن اور زیبرا نیم وا آنکھوں سے اپنی موت کی آہٹیں سن رہے تھے۔ وہ اپنی ساری ہمت اور حوصلہ پانی کے تند تھپیڑوں سے لڑنے میں خرچ کر چکے تھے۔ وہ اس وقت ایک انچ بھی ہلنے جلنے کی سکت نہیں رکھتے تھے مگر وہ زیرِ لب دعا گو تھے اور یقیناً قدرت ان سے بے خبر نہیں تھی۔

پیارے بچو!

وہ معصوم جانور جو بے یار و مددگار تھے ان کی نظریں آسمان پر تھیں ان کا واحد سہارا اللہ تھا۔

ایسے میں طاقت کے نشے میں چور گھمنڈی بھیڑیئے رال ٹپکاتے ہوئے ان بے یارومددگار جانوروں کو بھنبھوڑنے کے لیے آگے بڑھے ہی تھے کہ ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ کیچڑ ملے پانی میں چھپے خونخوار مگرمچھوں نے ان بے رحم بھیڑیوں کو غفلت میں پاکر اچانک حملہ کر دیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مگرمچھوں نے ان بھیڑیوں کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیئے۔ مگرمچھ پہاڑوں کی دوسری طرف بہتے دریا کے باسی تھے۔ سیلابی ریلے نے انہیں جنگل کے بیچوں بیچ پانی میں لا چھوڑا تھا۔ وہ بھوکے تھے۔ مردہ اور زخمی جانوروں پر ان کا دھیان نہیں گیا کیونکہ قدرت نے انہیں تازہ شکار کھیلنے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

دیکھا اچھے بچو!

بدکا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ کبھی بھی اپنی کسی خوبی یا بات پر غرور و گھمنڈ مت کرنا، یاد رکھو! سب سے بڑی طاقت اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ اس کی مدد غیب سے کرتے ہیں۔



زندگی

وثقیٰ بنت زبیر

مختصر سی زندگی ہے۔۔۔ایک دن اچھا ہے۔۔۔
ایک دن برا ہے۔۔۔ایک دن آپ کے ساتھ ہوگا۔۔۔
دوسرا دن آپ کے خلاف ہوگا۔۔۔
ہمیں بس اپنے رب پر توکل ہونا چاہیے۔۔۔
اگر آپ کا سارا دن اچھا گزر رہا ہے تو الحمدللہ کہیئے گا۔۔۔
اگر آپ کا دن بہت برا بھی گزر رہا ہے تو پھر بار بار الحمدللہ کہیئے گا، کیونکہ رب العالمین نے ہماری زندگی میں وہی دینا ہے۔۔۔
جو ہم سب کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔۔۔
ہمیں بس اپنے رب کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔۔۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کارساز کافی ہیں۔۔۔جو ہم سب کو عطاء فرماتے ہیں۔۔۔

میری بکری

نورین شاہد

آپ نے بہت سی شخصیات پر بہت سے موضوعات پر تو پڑھا ہوگا، میری بکری کے موضوع پر شاید ہی کچھ پڑھا ہو۔

تو آئیے جناب ہم آپ کو سناتے ہیں قصہ ایک باکمال بکری کا...... اس بکری کی کہانی بھی بہت دلچسپ اور عجیب ہے۔ بہت ہنر مند، بہت شرارتی، بہت پیاری، وفادار بکری تھی......

ہماری شادی کا پہلا سال تھا اور واجب قربانی کی تگ و دو میں کوئی مناسب جانور نہیں مل رہا تھا۔

ہم بھی پریشان کہ کیا کریں موجودہ رقم بھی کم ہے، حصہ بھی نہیں ڈال سکتے، قرض بھی نہیں لے سکتے کہ قرض لینا سیکھا ہی نہیں...... بس اللہ پر بھروسہ...... اور اللہ اپنے بندوں کی وہاں سے مدد فرماتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا......



زوجی کو بھی یونہی چلتے پھرتے ایک دوست کی چھوٹی سی ننھی منی سی ایک سالہ بکری پسند آگئی اور باتوں باتوں میں مناسب قیمت پر سودا بھی طے ہوگیا...... یوں وہ بکری شریف...... بلکہ شرارتی سی پیاری بکری عیدالاضحیٰ سے دس دن پہلے ہماری ملکیت میں آگئی......

زوجی تو اس کو وہیں سے گاؤں چھوڑ آئے کہ کچھ دن اپنی ہمجولیوں کے ساتھ گھوم پھر لے، اٹھکیلیاں کرلے، پھر اللہ کے حضور حاضری ہوگی......

اور میں گھر میں روز دن گنتی کہ کب میری بکری میرے پاس آئے گی......

انتظار کے دن ختم ہونے اور عید سے دو

دن قبل بکری نے ہمارے آنگن میں قدم رنجہ فرمایا......واہ کیا ہی خوبصورت کالے اور سفید دھبوں والا متناسب جسم......سرمئی گرے چمکدار آنکھوں والا پیارا معصوم چہرہ جو کچھ ہی دیر میں شرارتوں پر اُتر آیا......

گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے مجھ سے جُڑ گئی اور میرے لباس سے منہ رگڑنے لگی جیسے گلے مل رہی ہو۔

اس کی مہمان نوازی کے لئے تو تیاری پہلے سے کی ہوئی تھی...... چارالے آئے تھے اس کے غسل کے لئے بھی ٹھنڈا پانی جمع کرلیا تھا، روٹی کے ٹکڑے بھگوئے ہوئے، سیب، آم...... کیا ہی بات پیارے مہمان......

ہاں ناں...... یہ قربانی کے جانور مہمان ہی تو ہوتے ہیں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی عظیم قربانی کی یاد میں قربان ہونے والے پیارے جانور......

''مسلمان بچو!'' کیا آپ کو یاد ہے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی قربانی کا کیا قصہ ہے؟؟

میں آپ کو سناتی ہوں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام ابھی کم سن تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب آیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ چونکہ انبیاء کرام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو قرآن مجید فرقان حمید میں یوں بیان فرمایا:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى

''جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابا جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا۔ تو ہم نے انکو پکارا کہ اے ابراہیم۔تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا۔ اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا ذکر باقی چھوڑ دیا۔ کہ ابراہیم پر سلام ہو'' (سورۃ الصّٰفّٰت)

پیارے مسلمان بچو!

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے بڑی کوشش کی مگر چھری نے جس کو بار بار تیز کرتے رہے کچھ کام نہ دیا آخر چھری زور سے چلاتے چلاتے ایک دفعہ ایسی آواز آئی کہ گویا کوئی چیز کٹ گئی ہے خون بہنے لگا ہے تب آپ علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے پٹی کھول دی جو ذبح

کرتے وقت اس لئے باندھ لی تھی کہ کہیں محبت پدری جوش میں نہ آئے اور خدائے تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں لغزش نہ ہو جائے۔ دیکھا تو ایک دنبہ مذبوح پڑا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام صحیح سالم کھڑے ہیں اسی دنبے کی نسبت خدا نے فرمایا کہ ایک بڑی قربانی کو ہم نے ان کا فدیہ دیا۔

میں اسی عظیم قربانی کی یاد میں کھوئی ہوئی تھی کہ بکری نے منمنا کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا...... اور میں مسکراتی ہوئی مہمان نوازی کے لئے اُٹھ گئی۔ بکری کو نہلایا چارا ڈالا چند ہی لمحوں میں بہت مانوس ہوگئی تھی۔ اسے باندھا نہیں تھا کھلا چھوڑ دیا کہ عیش کر...... ماشاء اللہ ہر چیز بڑے شوق سے کھاتی تھی پالتو بکری تھی ناذہین اتنی کہ اشارے بھی سمجھ لیتی تھی فلاں کام سے منع کیا جارہا فلاں چیز کھانی ہے......لیکن مجال کہ ٹک کر بیٹھ جائے ذرا سی نظر اِدھر اُدھر ہوئی تو بکری غائب ...... ہائے اللہ جی! بکری کدھر گئی دل زور سے دھڑکا...... اور مہارانی صاحبہ کی چھت سے آواز آرہی "میں میں میں" کہ ہم یہاں ہیں...... اور میں نے سر پیٹ لیا کہ اتنی تنگ سیڑھیاں مشکل سے دو پاؤں رکھنے کی جگہ اور سیڑھیاں بھی بس واجبی سی کچی اینٹوں کی......میں تو ڈر گئی کہ یہ چڑھی کیسے اور اترے گی کیسے؟ بہر حال روٹی کے ٹکڑے اور چارا دکھا کر نیچے آنے کی ترغیب دی، ڈرتے ڈرتے قدم بہ قدم نیچے آ ہی گئی۔ کان کھینچے کہ اب جانا او پر تیری خوب خبر لوں گی۔ معصوم سا منہ بنا کر ہلکی سی منمناہٹ سے اپنا احتجاج ریکارڈ کروایا اور ہمیں کان چھوڑ کر پیار کرنے پر مجبور کردیا۔

دوسرے دن پھر وہی قصہ...... میاں جی کے پیچھے پیچھے ٹھمک ٹھمک سیڑھیاں چڑھتی جارہی۔ افففف یہ نہیں سدھرنے کی......بے اختیار ہمارے چہرے پر مسکراہٹ آگئی اور ہم عاجز آگئے کہ اپنی لاڈلی کو اب خود ہی اتاریں اور انہوں نے گود میں اٹھا کر نیچے اتارا کہ کہیں گر کے چوٹ ہی نہ لگوا لے۔

شام کو ہم نے مہمان صاحبہ کے مہندی بھی لگا دی اور بکری نے شرما کر دلہن بننے کا اقرار کرلیا۔

سیب اور آموں سے تواضع کر کے ہم نے کچھ دیر کے لئے چارپائی کے پائے ساتھ باندھ دیا کہ اپنی پیٹ پوجا کے لئے بھی کچھ کرنا تھا اور دلہن صاحبہ ایک جگہ بیٹھنے والی نہیں تھی

کبھی چھت پر کبھی کمرے میں کبھی کوڑے والی باسکٹ کے پاس......کوڑے والی باسکٹ او پر کسی چیز پر رکھی اور جناب بکری صاحبہ اگلی دونوں ٹانگیں اٹھائے کوڑے میں تلاش کا کام یوں جاری رکھے ہوئے تھی جیسے انٹیلی جینس کی کوئی ماہر کسی اہم ثبوت کے ہاتھ لگنے پر پرجوش ہو اور دلجمعی سے اپنا فرض ادا کر رہی ہو...... اس لئے مجبوراً بکری کو کچھ دیر باندھنا پڑا تھا اور چارا ڈال

دیا..... تقریباً عشاء کا وقت تھا اور میں آٹا گوندھنے میں مصروف تھی دیکھا کہ بکری بالکل خاموش اور بلاحرکت ایک سمت دیکھ رہی ہے آنکھیں اور سانس ساکن جیسے دشمن پر اٹیک کرنے کے لئے شست لی ہو..... مجھے کچھ تردد ہوا کہ کیا معاملہ ہے..... غور کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک بلی چپکے سے میرے قریب پڑے دودھ کی طرف بڑھ رہی ہے جو ابال کر ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھا تھا، بلی ذرا سی قریب آئی تو بکری نے دو قدم پیچھے ہو کر دشمن پر بھرپور حملہ کیا اور دشمن کو واپسی کا راستہ نہ ملے کبھی چارپائی سے ٹکر کبھی دیوار میں سر مارا اور دوسری طرف ہماری ہنسی کا فوارا۔

یوں بکری صاحبہ نے منمنا کر اپنی فتح اور مالک سے وفاداری کا اظہار بہ زبان حال کیا جیسے کہہ رہی ہو کہ میں تو بہادر بکری ہوں کل ہی اللہ کے رستے میں قربان ہونے جا رہی ہوں۔

بہت سا پیار اور اگلا دن عید کا یعنی..... مم میرا مطلب بکری کی رخصتی اور جدائی کا تھا۔

میرے میاں جی نماز عید کے بعد جلدی گھر آ گئے..... بکری کو کھلایا پلایا پیار کیا اور سنت ابراہیمی کی ادائیگی کے لئے قبلہ رخ لٹا دیا کہ اپنے ہاتھوں قربانی کا جانور ذبح کرنا افضل ہے۔ میں نے بکری کا منہ پکڑ کر قبلہ جانب کیا اور زوجی نے بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہوئے گردن پر چھری پھیر دی..... اللہ کی پیاری اللہ کی بارگاہ میں پہنچ چکی تھی..... دل اداس تھا ذہن میں اس آیت کا استحضار تھا:

لَن تَنَالُوا البِرَّ حَتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّون وَمَاتُنفِقُوا مِن شَیءٍ فَاِن اللّٰہَ بِہٖ عَلِیمٌ

”(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (راہ خدا میں) صرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے اور جو چیز تم صرف کرو گے خدا اس کو جانتا ہے۔“ (سورہ آلِ عمران)

گوشت بھی ہم دونوں نے مل کر بنایا اور تین حصے کئے۔

فَکُلُوا مِنهَا وَ اَطعِمُوا القَانِعَ وَ المُعتَرَّ

”تو ان میں سے کھاؤ اور قناعت سے بیٹھ رہنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ“ (سورۃ الحج)

گوشت پکانے کے لئے چولہے پر رکھا کہ عید الاضحیٰ کے دن اپنے قربانی کے گوشت سے کھانے کی ابتداء کرنا سنت رسول ﷺ ہے۔

گوشت بہت لذیذ بنا، کھاتے ہوئے بھی بکری کی یادیں اور اللہ کے حکم کی بجا آوری پر تشکر سے آنکھوں میں آنسو اور سر جھک رہے تھے کہ

لَن یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُومُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰکِن یَّنَالُہُ التَّقوٰی مِنکُم

”خدا تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اس تک تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے“ (سورۃ الحج)

راز سربستہ

ابوشفاء



سلطنت عثمانیہ کی یاد دلاتی ترکی کی پانچ شاہکار مساجد!

کراچی کو روشنیوں کا شہر کہتے ہیں، لاہور زندہ دلوں کا شہر ہے، بمبئی خوابوں کا تو پیرس خوشبوؤں کا۔

لیکن کیا آپ جانتے ہیں مسجدوں کا شہر کون سا ہے؟

ترکی کے عظیم شہر استنبول کو مسجدوں کا شہر کہتے ہیں۔ سن 1453ء میں عظیم شہر قسطنطنیہ فتح ہوا اور اس عظیم شہر کو اسلام بول یعنی اسلام کا شہر کہا جانے لگا۔ صدیوں تک خلافت کا مرکز رہنے کی وجہ سے یہاں بہت عظیم مسجدیں تعمیر ہوئیں، جو آج بھی شہرِ استنبول کی شان ہیں۔ لیکن صرف استنبول میں ہی نہیں بلکہ ترکی کے دوسرے شہروں میں بھی کئی بڑی اور اہم مسجدیں موجود ہیں۔ خاص طور پر ان شہروں میں جو ماضی میں ترکی کے دارالحکومت رہ چکے ہیں۔

آئیے آج کے راز سربستہ میں ترکی کی کچھ مشہورترین، خوبصورت ترین اور بہترین مسجدوں کے بارے میں بتاتے ہیں۔

تو شروعات کرتے ہیں اُس مسجد سے جس نے ایک ایسے طرزِ تعمیر کو جنم دیا جو آج تک موجود ہے، اس کی تاریخ بہت طویل ہے اور اس پر کئی اختلافات بھی ہیں اور تنازعات بھی، اور یہی سب مل کر اس مسجد کو ایک خاص عمارت بناتے ہیں۔ ہم بات کررہے ہیں آیا صوفیا کی۔

مسجد آیا صوفیا

آپ کو شاید سن کر حیرت ہوگی آیا صوفیا کی تعمیر اصل میں سن 360ء میں شروع ہوئی تھی۔ یہ مشرقی رومن ایمپائر یعنی بزنطینی سلطنت کا سب سے بڑا مسیحی گرجا بنی۔ البتہ اس کی موجودہ عمارت

537ء میں مکمل ہوئی تھی یعنی لگ بھگ 1500 سال پہلے۔ تصور کیجیے یہ اُس زمانے میں کتنا بڑا شاہکار ہوگی۔ تقریباً ایک ہزار سال تک یہ دنیا کا سب سے بڑا گرجا تھی۔

سن 1453ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کیا اور یہ عظیم شہر سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ بن گیا۔ سلطان نے آیا صوفیا کو مسجد بنانے کا حکم دیا اور یہ شہر کی مرکزی جامع مسجد بن گئی۔

مرکزی عمارت کے گرد چار مینار کھڑے ہوئے، جہاں سے دن میں پانچ وقت اللہ کی کبریائی کا اعلان ہوتا۔ قبلہ رُو ایک منبر کا بھی اضافہ ہوا اور یوں اس خوبصورت جگہ سے حقیقی معبود کی عبادت ہونے لگی۔

اس مسجد کا ساڑھے 32 میٹر ڈایامیٹر یعنی قُطر کا گنبد زمین سے 55 میٹر یعنی 180 فٹ بلند ہے۔

میناروں کی بلندی 60 میٹرز سے زیادہ ہے۔ ان میں سے ایک مینار سلطان محمد فاتح کے دور میں ہی تعمیر ہوگیا تھا، جہاں سے پنج وقتہ اذان دی جاتی تھی۔ یہ مینار سرخ اینٹوں کا بنا ہوا ہے اور باقی تمام میناروں سے مختلف نظر آتا ہے۔ ایک مینار بایزید ثانی کے دور میں بنایا گیا اور آخری دو سلیم ثانی کے عہد میں مکمل ہوئے۔ یوں مسجد کے چاروں مینار مکمل ہوئے اور ان چاروں سے بیک وقت اذان دی جاتی تھی۔

آیا صوفیا میں 1931ء تک نمازِ پنجگانہ ہوتی رہی لیکن مصطفیٰ کمال پاشا کی ظالم اور لبرل حکومت نے مسجد کو بند کر دیا اور پھر چار سال کے لیے 1935ء میں اسے دوبارہ کھول تو دیا لیکن مسجد نہیں بلکہ ایک عجائب گھر کی حیثیت سے۔ یہ ترکی کا سب سے بڑا اور مشہور سیاحتی مقام تو بن گئی لیکن







ایسی جگہ جہاں صدیوں سے اللہ کی بڑائی بیان ہوتی رہی، اس کا یکدم عجائب گھر بن جانا بہت افسوس ناک تھا۔ ترکی کے اسلام پسند حلقوں نے عرصے تک کوششیں کیں کہ آیا صوفیا کو دوبارہ مسجد بنایا جائے لیکن اختیار اور اقتدار نہ ہونے کی وجہ سے عملاً کچھ ہو نہیں سکا۔ بالآخر 2020ء میں ایک عدالت نے آیا صوفیا کو عجائب گھر بنانے کا وہ فیصلہ کالعدم قرار دے دیا، جو 1934ء میں ترکی کی اُس وقت کی کابینہ نے کیا تھا۔ یوں آیا صوفیا کی مسجد کی حیثیت سے بحالی کی راہیں ہموار ہوگئیں۔

24 جولائی 2020ء وہ تاریخی دن تھا جب آیا صوفیا میں تقریباً 9 دہائیوں کے بعد پہلی بار کوئی نماز ادا کی گئی۔ یہ نمازِ جمعہ کا روح پرور اجتماع تھا جس میں صدر رجب طیب اور دوگان اور ان کی کابینہ کے اراکین سمیت عوام کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ آج آیا صوفیا میں پنج وقتہ نماز ادا کی جاتی ہے۔

سلطان احمد مسجد

یہ ہے سلطان احمد مسجد، دنیا اسے نیلی مسجد کے نام سے جانتی ہے۔ کیونکہ اس کے اندر نیلے رنگ کی 20 ہزار خوبصورت ٹائلوں کا استعمال ہوا ہے۔ مسجد 1616ء میں سلطان احمد اوّل کے دور میں تعمیر ہوئی۔ مسجد کو عثمانی طرزِ تعمیر کا اعلیٰ ترین نمونہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ پانچ مرکزی گنبد، آٹھ ثانوی گنبد اور چھ مینار، اتنی عظیم عبادت گاہ اپنے زمانے میں کوئی نہیں ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ تب چھ مینار صرف مکہ مکرمہ کی مسجدِ حرام میں تھے۔ جب سلطان کو علم ہوا تو انہوں نے وہاں ساتواں مینار بھی تعمیر کرنے کا حکم دیا تا کہ مسجدِ حرام کی انفرادیت برقرار رہے۔

ویسے احمد اوّل وہ پہلے عثمانی سلطان تھے جن کے نصیب میں بڑی فتوحات نہیں آئیں۔لیکن انہوں نے اپنا نام اِس مسجد کے ذریعے تاریخ میں امر کروا دیا ہے، جب تک یہ مسجد موجود رہے گی، سلطان کا نام زندہ رہے گا۔

اِس مسجد کا گنبد 43 میٹر یعنی 141 فٹ اونچا ہے جبکہ ڈایا میٹر یعنی قُطر ساڑھے 23 میٹر ہے، مطلب 77 فٹ سے بھی زیادہ۔اس کے میناروں کی اونچائی 210 فٹ ہے جو شہر کے کئی حصوں سے نظر آتے ہیں۔اس مسجد کی تعمیر کا کام معمار محمد آغا نے انجام دیا، جو شاگرد تھے عثمانی تاریخ کے سب سے بڑے ماہرِ تعمیر سنان پاشا کے۔

نیلی مسجد میں 10 ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے اور یہ آج بھی بہت مشہور اور بہت مقبول ہے۔دنیا بھر سے لوگ یہ مسجد دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔

سلیمانیہ مسجد

سلطنتِ عثمانیہ کے مشہور ترین معمار سنان پاشا تھے اور ان کا سب سے بڑا شاہکار تھی سلیمانیہ مسجد جسے بنوایا بھی سب سے عظیم سلطان نے تھا، سلطان سلیمان عالیشان نے۔1557ء میں بننے والی اس مسجد کی اونچائی 174 فٹ ہے جبکہ میناروں کی تعداد چار ہے۔دو بڑے مینار 249 فٹ بلند ہیں اور دو نسبتاً چھوٹے ہیں اور 209 فٹ کے ہیں۔

تقریباً ساڑھے چار سو سالوں تک استنبول شہر کی سب سے بڑی مسجد ہونے کا اعزاز اسی سلیمانیہ مسجد کو حاصل رہا۔یہاں تک کہ 2019ء میں چاملیجا مسجد کو یہ اعزاز مل گیا، جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

مسجد کے ساتھ ہی سلیمان عالیشان اور ان کی اہلیہ خرم سلطان کے مزارات واقع ہیں۔ان کے علاوہ ان کی بیٹی مہر ماہ سلطان اور بعد میں آنے والے دو سلطانوں سلیمان ثانی اور احمد ثانی کی قبریں بھی یہی ہیں۔

جامع مسجد بورصہ

جامع مسجد بورصہ اور اس کے 22 گنبد

اگر آپ کو پرانا عثمانی طرزِ تعمیر دیکھنا ہو تو اس کے لیے آپ کو ترکی کے شہر بورصہ جانا پڑے گا جہاں کی جامع مسجد دیکھنے کے قابل ہے۔یہ مسجد عثمانیوں کے چوتھے سلطان بایزید اوّل نے تعمیر کروائی تھی، جب بورصہ سلطنت کا دارالحکومت تھا۔اس کی تعمیر 1399ء میں مکمل ہوئی تھی اور آج بھی اس خوبصورت شہر کے مرکز میں پوری شان و شوکت کے ساتھ کھڑی ہے۔

بایزید اوّل تاریخ میں بایزید یلدرم کے نام سے مشہور ہیں، انہوں نے 1396ء میں معرکہ نکوپولس میں یورپ کی مشترکہ فوج کو ہرایا تھا۔یہ

ایک صلیبی جنگ تھی جس کی اپیل عثمانیوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کے لیے پوپ بونیفیس نہم نے کی تھی۔ سلطان بایزید کی یہ کامیابی آج بھی تاریخ کی عظیم جنگی فتوحات میں شمار ہوتی ہے۔

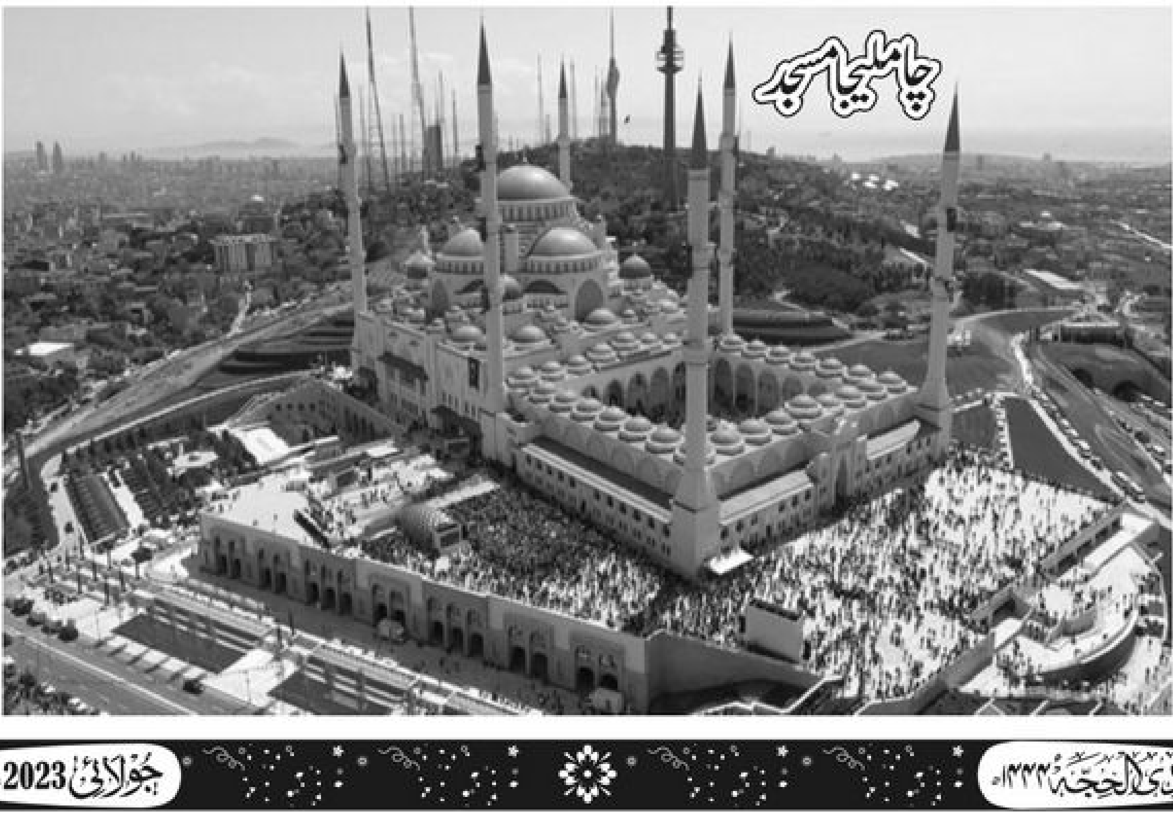
بہرحال، اس جامع مسجد کے چھوٹے بڑے کُل 20 گنبد اور 2 مینار ہیں۔ مسجد 3 ہزار مربع میٹرز سے زیادہ کے رقبے پر پھیلی ہوئی ہے۔ مسجد میں 5 ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔

جامع مسجد بورصہ کی سب سے خاص بات ہے اس میں موجود خطاطی کے نمونے، جن کی وجہ سے اسے خطاطی کا عجائب گھر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی مختلف دیواروں پر کُل 192 نقوش موجود ہیں جبکہ اُس دور کے 41 بڑے خطاطوں کے 87 نمونے بھی یہاں لگائے گئے ہیں۔ ان میں قرآن مجید کی آیات بھی ہیں، احادیث بھی، اسمائے حسنہ بھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک بھی شامل ہیں۔

چاملیجا مسجد

اب تک ہم نے جن مساجد کا ذکر کیا ہے وہ سب عثمانی دور کی قدیم مسجدیں ہیں۔

جب عثمانی سلطنت ختم ہوئی اور ترکی میں جمہوریت کے نام پر سیکولرازم کو عوام پر تھوپا گیا تو جبر کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ یہاں تک کہ مساجد بنانے کے عمل کی حوصلہ شکنی کی جاتی تھی۔ اسلام پسندوں نے اس جبر کے خلاف طویل جدوجہد کی یہاں تک کہ چند رہنماؤں کو پھانسی تک دے دی گئی، کچھ کو سیاست سے بے دخل کر دیا گیا، پابندیاں لگا دی گئیں لیکن ایمان کا نُور کسی کے بجھائے نہیں بجھتا۔ بالآخر جب اسلام پسند ترکی میں





غالب آئے تو ان کی ایک خواہش یہ بھی تھی کہ ایک عظیم مسجد بنا کر ترکی کو اس کے ماضی سے جوڑا جائے۔

استنبول کی چاملیجا مسجد اسی خواب کی تعبیر ہے۔ 2019ء میں مکمل ہونے یہ مسجد کسی بھی دوسری مسجد سے زیادہ بڑی اور شاندار ہے۔ 11 کروڑ ڈالرز کی بھاری لاگت سے بنائی گئی اس مسجد میں چھوٹے بڑے 70 گنبد ہیں، جن میں مرکزی گنبد کی اونچائی 236 فٹ ہے جبکہ چھ مینار 351 فٹ تک اونچے ہیں۔ مسجد میں 63 ہزار نمازیوں کی گنجائش موجود ہے۔ یہ ایک حقیقی میگا پروجیکٹ تھا جس کے لیے سرمایہ ترکی کی حکومت نے فراہم کیا۔

مسجد کا افتتاح 3 مئی 2019ء کو ترکی کے صدر رجب طیب اردوغان نے کیا۔

ویسے استنبول کی تقریباً تمام مشہور مسجدیں شہر کے اُس حصے میں واقع ہیں جو یورپ میں ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ استنبول دنیا کا واحد شہر ہے جو دو براعظموں میں واقع ہے۔ شہر کے درمیان سے آبنائے باسفورس گزرتی ہے جو اسے دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ مشرقی حصہ ایشیا میں ہے اور مغربی حصہ یورپ میں۔ یورپی حصہ ہی شہر کا قدیم ترین علاقہ ہے اور عثمانی سلطانوں کے محلات سے لے کر تمام بڑی مساجد تک، سب اُسی علاقے میں ہیں۔ لیکن ترکی کی موجودہ حکومت نے یہ مسجد شہر کے اس حصے میں بنائی ہے جو ایشیا میں ہے۔

ویسے مسجد عثمانیوں کے طرزِ تعمیر کے مطابق ہی بنائی گئی ہے، اس میں جدیدیت کے نام پر ایسا کوئی تاثر نہیں دیا گیا، جس سے یہ مسجد کے بجائے کچھ اور لگے۔ ایسا لگتا ہے کہ اسلام پسند حکومت عوام کو ماضی سے جوڑنا چاہتی ہے۔

سو لفظی کہانی

محمد انس



بہتی محبت

اس کا اپنی ماں سے رشتہ کھانا پکانے، کپڑے دھونے، صفائی کرنے اور اسے جیب خرچ دینے سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ جسے وہ محبت کا نام دیا کرتا تھا اور جب زندگی میں ان کاموں کا متبادل ملتا رہا یہ محبت بھی کم ہو کر بوجھ لگنے لگی۔ فون پر ماں سے بات کرنا بھی جان چھڑانے جیسا تھا۔ آج ماں کی موت کی خبر نے اس کے وجود کو اندر سے یکدم خالی کر دیا، تنہائی کا احساس اتنی شدت سے اس پر حاوی ہوا کہ اس کی آنکھیں واقعی محبت بہانے لگیں، لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔



حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

جاپانی دجّال

اللہ تعالیٰ ہر فتنے سے ہم سب کی حفاظت فرمائے...... کچھ لوگ ''بے کار'' کاموں میں اُلجھے رہتے ہیں...... اور اُن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ...... دوسرے مسلمانوں کو بھی ان ''فضولیات'' میں اُلجھا دیں...... ابھی ایک بہت ہی عزیز شخصیت نے بتایا کہ...... موبائل پر ایک میسج چل رہا ہے...... اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ...... ''دجّال'' جاپان کے ایک جزیرے سے نکلنے والا ہے...... اور اسی سال حضرت امام مہدیؓ ظاہر ہونے والے ہیں...... جاپان کے سمندر میں ایک آتش فشاں پھٹا ہے...... اُس سے ایک نیا جزیرہ ظاہر ہو گا...... جاپان چونکہ مشرق میں ہے اور دجّال نے مشرق سے نکلنا ہے...... اس لئے وہ اس جزیرے سے نمودار ہو گا...... یہ اور اس طرح کی بہت سی باتیں اس ''میسج'' میں لکھی ہوئی ہیں...... کئی لوگ دھڑا دھڑ اس میسج کو ثواب سمجھ کر پھیلا رہے ہوں گے کہ...... ہم نے دجّال کا ''ایڈریس'' معلوم کر لیا اور یہ کہ ''دجّال'' میڈ اِن جاپان ہے...... انا اللہ و انا الیہ راجعون...

کیا اسلام نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم ''دجّال'' کو تلاش کرتے پھریں؟...... کیا دجّال کا فتنہ کوئی معمولی چیز ہے؟...... اللہ کے بندو! یہ روئے زمین کا سب سے بڑا فتنہ ہے...... آپ اس طرح کے فضول ''میسج'' کی جگہ وہ دعائیں میسج کریں جو ہر نماز میں اور نماز کے بعد ''مسیح دجّال'' کے فتنے سے حفاظت کے لئے سکھائی گئی ہیں...... آپ وہ احادیث ''میسج'' کریں جن میں جمعہ کے دن سورۃ الکہف کی آیات کی تلاوت کو ''مسیح دجّال'' سے

حفاظت کا ذریعہ فرمایا گیا ہے...... دجّال کے فتنے کا مقابلہ تو جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ ہوگا...... آپ مسلمانوں میں جذبۂ جہاد پیدا کریں...... دجّال کا فتنہ کوئی ایسا چھوٹا یا مخفی فتنہ نہیں ہو گا کہ...... جسے جاننے اور پہچاننے کے لئے کتابیں دیکھنا پڑیں گی...... یہ تو وہ عالمگیر اور خوفناک فتنہ ہے جس سے تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اُمتوں کو ڈرایا ہے...... کچھ عرصہ پہلے ایک صاحب مجھے ملے اور فرمایا کہ...... ایک مسئلے پر بات کرنی ہے کیا آپ تحمّل سے سن سکیں گے؟...... اُن سے عرض کیا کہ انشاء اللہ ضرور پورے تحمّل سے سنوں گا...... فرمانے لگے کہ دجّال کسی فرد یا شخص کا نام نہیں ہے...... بلکہ ایک ''عمومی فتنے'' کا نام ہے...... اور آج کل امریکہ اور یورپ ہی ''دجّال اکبر'' اور ''فتنہ مسیح الدجال'' ہیں...... اس پر انہوں نے بہت لمبی چوڑی تقریر کی اور بتایا کہ...... ہمیں چاہئے کہ تمام کام چھوڑ کر اس فتنے کے بارے میں مسلمانوں کو بتائیں...... بندہ نے اُن سے چند سوالات کئے...... اُن صاحب کے پاس امریکہ کی نیشنلٹی تھی...... انگریزی فر فر بولتے تھے...... اُن سے پوچھا کہ دجّال اکبر نے اپنے اتنے بڑے مخالف کو اپنے ملک کی نیشنلٹی کیسے دے رکھی ہے؟...... وہ گرم ہونے لگے...... عرض کیا کہ تحمّل سے سنیں...... دجّال کا مقابلہ صرف اور صرف جہاد سے ہوگا...... آپ کے پاس جہاد کا کیا نظام ہے؟...... وہ سٹپٹا گئے...... اُن سے عرض کیا

کہ...... آپ کا کام صرف ''دجّال'' کا تعارف پیش کرنا ہے یا اُس کا مقابلہ کرنا؟...... اگر صرف تعارف کرانا ہے تو پھر آپ دجّال کی خدمت کر رہے ہیں...... اور اگر مقابلہ کرنا ہے تو اُس کی آپ کے پاس کیا ترتیب ہے؟...... وہ صاحب کافی گھبرا گئے...... اور غصے میں اٹھ کر چلے گئے...... اُن کے بھائی نے بتایا کہ کئی سال سے یہ اس موضوع پر علماء سے بات کر رہے ہیں...... مگر اِن کو اس طرح سے بھاگتے ہوئے آج دیکھا ہے...... ورنہ یہ تو اپنی معلومات کے زور پر کئی علماء کرام کو شرمندہ کر چکے ہیں...... دراصل اس طرح کے لوگوں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ...... آپ اُن کے ساتھ بیٹھ کر دجّال کی باتیں کریں...... دجّال کی طاقت کے گن گائیں...... دجّال کے ضمن میں یہودیوں کی طاقتوں اور سازشوں پر لمبی گفتگو کریں...... اُن کے ایٹم بم شمار کریں، اُن کے طیارے گنیں...... اُن کی ٹیکنالوجی کے ہوشربا تذکرے کریں...... اور اُن کو ناقابل تسخیر قرار دے کر...... جہاد کا کام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگا دیں کہ...... وہ آئیں گے تو کچھ ہوگا...... ہم سے تو اس خوفناک طاقت اور فتنے کے خلاف جہاد نہیں ہوسکتا...... چند دن پہلے ایک رسالے میں دیکھا کہ...... ایک خاتون صاحبہ نے پوری اُمت مسلمہ کے ذمہ یہ کام لگا دیا کہ...... انگریزی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ ''صلی اللہ

علیہ وسلم“...... فلاں طریقے سے لکھیں اور جو عام طریقے سے لکھا جاتا ہے...... وہ غلط ہے اور اس کے فلاں فلاں معنیٰ ہیں...... انا للہ وانا الیہ راجعون...... یہ ہے ”نیٹ“ کے کھلاڑیوں کا جہاد کہ ہر لفظ میں سازش کی ”بُو“ سونگھ کر...... پھر اس ”بُو“ کو پورے زور سے مسلمانوں میں پھیلاتے ہیں......

ایک اور خاتون اس مشن پر تھیں کہ...... انگریزی میں جب ”اللہ“، ”قرآن“ اور ”رسول“ جیسے الفاظ لکھے جائیں تو...... پہلا حرف بڑی اے، بی، سی میں لکھا جائے...... ورنہ گناہ ہوگا...... اور مسلمان سازش کا شکار ہو جائیں گے...... اسی طرح ہر چند روز بعد کوئی ”سائبر مفکر“ اچانک یہ اعلان چلا دیتا ہے کہ...... مکہ، مدینہ وغیرہ الفاظ کو...... اگر فلاں ”اسپیلنگ“ میں لکھا تو...... مطلب یہ ہو جائے گا اور مسلمان ایک گمنام سازش کا شکار ہو جائیں گے...... اسی طرح یہ ”کمپیوٹر کھلاڑی“ مختلف چیزوں پر گستاخی کی سازش پکڑ لیتے ہیں اور پھر اس گستاخی کی اتنی تشہیر کرتے ہیں کہ...... انسان کا دل غم سے پھٹنے لگتا ہے...... حالانکہ انسان کسی بھی مصلّے، جائے نماز، جوتے یا نقشے کو مختلف زاویوں سے دیکھے تو کئی خیالی تصاویر اور الفاظ بن جاتے ہیں...... مگر چونکہ ان بے کار لوگوں نے نہ تو جہاد کرنا ہوتا ہے اور نہ ان کو تلاوت اور نوافل کی فکر ہوتی ہے...... یہ ہر چیز کی تصاویر اور نقشوں میں الجھے رہتے ہیں اور پھر کوئی نہ کوئی سازش اور گستاخی تلاش کر کے...... مسلمانوں کا دل مزید زخمی کرتے ہیں...... اور اس کو دین کی بڑی خدمت سمجھتے ہیں...... اللہ کے بندو! مسلمانوں کے خلاف اس طرح کی سازشیں اُس وقت ہوتی تھیں جب کفار مغلوب تھے...... اور وہ اپنے دل کی بھڑاس چُھپ چُھپ کر نکالتے تھے...... کہیں کوئی صلیب چھپا دی...... کسی جگہ مسلمانوں کے مقدس ناموں کی چھپ کر گستاخی کر دی...... مگر اِس وقت تو وہ غالب ہیں...... اور مسلمان خود بھاگ بھاگ کر اُن کی جھولی میں گر رہے ہیں...... وہ کھل کر ہمارے پاک نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں...... مگر پھر بھی اُن کے سفارتخانوں کے باہر مسلمانوں کی لمبی قطاروں میں کوئی کمی نہیں آتی...... عام لوگ تو در کنار دیندار اور صاحب علم بھی اُن کے ملکوں میں جانا...... اور اُن کے طریقوں کو اپنانا فخر کی بات سمجھتے ہیں...... ہمارے ملکوں کی سیاست پر اُن کا قبضہ ہے...... ہماری معیشت اُن کے جھوٹے برتنوں کو چاٹنے کا نام ہے...... ہماری فوجیں اُن کے حکم پر مسلمانوں کی گردنیں کاٹنے کیلئے ہر وقت تیار ہیں...... ان حالات میں اُن کو خُفیہ سازشوں اور چوری چھپے وارداتوں کی کیا ضرورت ہے؟...... اِس وقت اُن کی سازشوں کے چرچے کرنا مسلمانوں میں مزید کمزوری اور بے ہمتی پھیلانے کا ذریعہ ہیں...... کیونکہ اُمتِ مسلمہ کو اس وقت الفاظ کی نہیں عمل کی ضرورت ہے...... آج سے پندرہ، بیس سال پہلے لاہور میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی...... وہ عالم نہیں تھے مگر مطالعہ کے زور پر درس قرآن دیتے تھے...... اور ”احیائے خلافت“ اُن کا موضوع

تھا...... تین گھنٹے کی تفصیلی بات چیت سے اُن کو فائدہ ہوا...... اور وہ جہاد کے حامی ہو گئے...... اُن سے یہی بات عرض کی تھی کہ...... ''خلافت'' کوئی ناراض بیوی تو نہیں ہے کہ...... صرف آوازیں دینے سے واپس آجائے گی...... ہائے خلافت، اری خلافت، آہ خلافت، پیاری خلافت...... ہم جتنا بھی پکاریں ''خلافت'' قائم نہیں ہو گی...... ایک بزرگ عالم دین کافی پہلے عراق کا سفر کر کے واپس تشریف لائے...... انھوں نے بتایا کہ عراق میں ''سامرہ'' کے مقام پر ایک غار ہے...... شیعہ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اسی غار میں اُن کے بارہویں امام ''روپوش'' ہیں...... زائرین اس غار پر جاتے ہیں...... وہاں موجود ''مجاوروں'' کو نذرانے دیتے ہیں اور غار کے دہانے کھڑے ہو کر...... روتے پیٹتے اور پکارتے ہیں کہ امام صاحب! جلدی نکل آؤ...... وہ عالم کہتے ہیں کہ میں نے وہاں کے ایک مقامی شخص سے پوچھا...... کیا واقعی امام اس غار میں ہیں؟...... وہ کہنے لگا یہ تو پتا نہیں کہ امام غار میں ہیں یا نہیں...... لیکن اگر ہوئے بھی تو کبھی نہیں نکل سکیں گے...... بلکہ جب وہ نکلنے لگیں گے تو مجاور اُن کو مار کر واپس غار میں ڈال دیں گے...... کیونکہ اُن کے چلے جانے سے مجاوروں کی کروڑوں کی آمدن بند ہو جائے گی...... خلافت، خلافت کا شور کرنے والے اکثر ''منکرین'' خود خلافت کے دشمن ہیں...... کیونکہ یہ لوگوں کو 'جہاد' سے روکتے ہیں...... اور بغیر جہاد کے خلافت قائم نہیں ہو سکتی...... خلاصہ یہ ہے کہ...... مسلمان فضول کاموں اور بے کار تحقیقات میں وقت ضائع نہ کریں...... حضرت امام مہدیؓ کے تشریف لانے سے پہلے بھی جہاد کا حکم ہر مسلمان کے لئے موجود ہے...... بس اس حکم کو پورا کریں...... اگر وہ ہماری زندگی میں تشریف لے آئے تو جہاد کرتے ہوئے اُن کے ساتھ شامل ہونا ہمارے لئے...... انشاء اللہ آسان ہو گا...... اور اگر وہ ہماری زندگی میں تشریف نہ لائے تو بھی ہمیں عمل جہاد کا پورا اجر ملے گا...... دجّال جب آئے گا تو پوری دنیا کو پتا چل جائے گا اور دجّال کے فتنے سے وہی لوگ محفوظ رہ سکیں گے جن کا ایمان کامل ہو گا اور وہ موت سے نہیں ڈرتے ہوں گے...... اور مال و ہوس کے پجاری نہیں ہوں گے...... یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہو کر دجّال کا مقابلہ کریں گے...... اور دجّال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مارا جائے گا...... چنانچہ ہم سب دجّال کا ایڈریس معلوم کرنے کی بجائے...... دجّال سے مقابلے کے لئے...... جہاد کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوط کریں......

اللھم انا نعوذبک من فتنۃ المسیح الدجال...... آمین یاارحم الراحمین

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد صاحب الفرق والفرقان وجامع الورق ومنزلہ من سماء القرآن وال محمد وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

☆......☆......☆

از قلم حمیرا علی

گرمیوں کی چھٹیاں



گرمیوں کی چھٹیاں ہوتے ہی مانی اور جانو کے سارے دوست چھٹیاں گزارنے اپنے اپنے گاوں چلے گئے۔

وہ دونوں پانچ دن میں ہی اچھے خاصے بور ہوگئے۔کیونکہ جتنی بھی شرارتیں وہ کرتے تھے ان کی پلاننگ رومی اور بابر کرتے تھے۔گڈو،پپو،خالد اورنومی بھی بہت تیز لڑکے تھے۔جن سے ہر وقت انکا مقابلہ چلتا تھا اب اپنے دوستوں کے بغیر نومی اورجانو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔

محلے میں سکون ہی سکون تھا۔ایسا نہیں تھا کہ محلے کے سارے بچے ہی گاوں سدھار گئے تھے مگر جن سے اہل محلہ عاجز آئے رہتے تھے وہ سب گھومنے چلے گئے تھے۔

نومی اور جانو اس سکون سے اکتا کر اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل کر گلیوں کی خاک چھاننے لگے۔

جانو کے ہاتھ میں فٹ بال تھی ان کا رخ پارک کی طرف تھا۔گرم دوپہر میں ہر طرف سناٹا تھا۔لوگ یا تو اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے یا پھر کاموں پر گئے ہوئے تھے۔

مائیں گرمی کی وجہ سے بچوں کو باہر نہیں نکلنے دیتی تھیں۔مانی اور جانو اپنی ماؤں سے نظر بچا کر پارک میں تھے۔یہاں بھی ہر طرف ویرانی تھی۔

"چلو یار گھر چلتے ہیں آج گرمی بھی بہت ہے



اور بوریت بھی۔" جانو نے اکتا کر کہا۔
"مگر مجھے ابھی اور کھیلنا ہے۔"
مانی نے فٹ بال کو دور اچھالا۔
"میں اس کھیل کو دسے بور ہو گیا ہوں چلو کسی کو تنگ کرتے ہیں۔"
جانو کی آنکھیں کسی خیال سے چمکیں۔
"کس کو؟"
مانی سمجھا تو نہیں لیکن جانو کو مسکراتا دیکھ کر وہ بھی مسکرا دیا۔
"اس وقت خالد مدرسے سے واپس آتا ہے اور راستے میں برگد کا پرانا پیڑ بھی ہے۔ چلو وہیں چلتے ہیں۔"
جانو نے قدم بڑھائے مانی پر جوش سا اس کے ساتھ چلنے لگا۔
کچھ ہی دیر میں وہ دونوں مخصوص مقام پر آگئے۔ یہ ایک غیر آباد علاقہ تھا جہاں تعمیراتی کام رکا ہوا تھا۔ عمارتیں نامکمل، بے رنگ و روغن کھنڈرات کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ ہر جانب سناٹا تھا۔
"تمہیں پتا ہے میری امی بتاتی ہیں یہاں کچھ سال پہلے تک گھنے درخت ہوا کرتے تھے مگر پھر زمین ایک تعمیراتی کمپنی نے خرید لی اور سارے درخت کاٹ دیے مگر یہ برگد کا درخت کوئی نہیں کاٹ سکا کیونکہ اس پر جنات رہتے ہیں۔"
مانی پر اسرار خاموشی سے ڈر کر رک گیا تھا۔
جانو نے اسے مزید اپنی باتوں سے ڈرا دیا۔
"میں جانتا ہوں یہ مگر ہم یہاں آئے کیوں ہیں؟" اس نے چڑ کر پوچھا۔
"سیدھی سی بات ہے۔ ہم خالد کو ڈرا کر بھگائیں گے۔ تم درخت کے اوپر چڑھ کر زور زور سے آوازیں نکالو اور درخت کی شاخوں کو ہلاؤ میں منہ پر ریت لگا لیتا ہوں جب اچانک میں اس کے سامنے آوں گا تو دیکھنا کیسے ڈر کر بھاگے گا بعد میں ہم اس کا خوب ریکارڈ لگائیں گے۔"
"آئیڈیا برا نہیں ہے مگر درخت پر تم چڑھو!"
مانی درخت کے جنات سے خوف زدہ تھا۔ درخت کی لمبی لمبی شاخیں چڑیل کے ہاتھوں کی طرح پھیلی ہوئی تھیں۔ جیسے بس ابھی اسے دبوچ لیں گی۔ اس نے اپنی سوچ پر جھرجھری لی لیکن جانو کے سامنے اپنے خوف کا اظہار نہیں کیا۔ ورنہ جانو اس کا خوب مذاق اڑاتا۔
جانو بغیر بحث کیے بالکل بندر کی طرح پھرتی سے درخت پر چڑھ گیا۔ جبکہ مانی نے جلدی جلدی منہ پر ریت لگائی اور درخت کے خوب موٹے تنے کے پیچھے چھپ گیا۔ خالد دور سے آتا دکھائی دے رہا تھا۔
"اونہہ۔ بہت عقلمند بنتا ہے اب مزہ آئے گا۔"
جانو اسے دیکھ کر بڑبڑایا۔
کندھے پر بستہ تھا جس میں سپارہ تھا۔ ایک

دو اسکول کی کتابیں بھی تھیں۔اس نے مضبوطی سے بستے کو پکڑا ہوا تھا اور تیز قدموں سے چل رہا تھا۔وہ جونہی گھنے درخت کے قریب پہنچا۔درخت کے اوپر چڑھ کر بیٹھے جانو نے" ہو ہو ہو ہاہاہا" کی آوازیں نکالنا شروع کردیں۔ساتھ ہی وہ شاخوں کو بھی زور زور سے ہلانے لگا۔

"بھوت،بھوت۔بھوت،بھوت"

خالد زور سے چلایا۔مانی درخت کے پیچھے سے نکل کر خالد کے سامنے آنا چاہتا تھا لیکن کسی نے اس کی قمیض زور سے دبوچ لی۔وہ پہلے ہی ڈرا ہوا تھا۔جیسے ہی قمیض کسی نے پکڑی مانی بھی خوف زدہ ہو کر"بھوت بھوت" چلاتا ہوا بھاگا۔خالد نے بھی ڈر کر دوڑ لگا دی۔

جانو نے مانی کو بدحواس ہو کر بھاگتے دیکھا تو وہ بھی گھبرا کر درخت سے اترنے لگا اور اس جلد بازی میں اس نے بے دھیانی میں ایک شاخ کو پکڑا۔شاخ کمزور تھی مانی کے وزن کو برداشت نہیں کر سکی اور ٹوٹ گئی۔وہ منہ کے بل زمین پر گرا۔جانو اور خالد نے بھاگتے ہوئے مڑ کر دیکھا مگر وہ دونوں اس قدر خوف زدہ تھے کہ اس کی مدد کے لیے رکے نہیں۔کچھ دور جا کر انہوں نے سانس لیا۔

"کہیں جانو مر ہی نہ گیا ہو" مانی کو فکر ہوئی۔

"تم لوگ یہاں کیا کر رہے تھے۔یہ تمہارا آئیڈیا تھا ناں مجھے ڈرانے کا"

مانی کی شکل دیکھ کر خالد معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔مانی گڑبڑایا مگر اپنی شرارت پر پردہ بھی ڈالنا تھا۔

"کوئی نہیں ہم بھی وہاں سے جا رہے تھے برگد کے جنات نے ہمیں پکڑ لیا۔"

اس نے اپنی قمیض کی طرف دیکھا جو بری طرح پھٹ چکی تھی۔خالد نے اس کے بیان پر یقین نہیں کیا۔انہیں جانو کی فکر تھی۔

مانی اور خالد،جانو کے گھر پہنچے اس کے بڑے بھائی اسامہ کو ساتھ لے کر واپس برگد کے درخت والی جگہ پر آئے۔جانو درد سے کراہ رہا تھا۔وہ لوگ اسے فوراً ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔اونچائی سے گرنے کی وجہ سے اس کے بازو اور ٹخنے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھیں۔

ہڈیاں تڑوا کر وہ سکون سے بیٹھا۔گرمیوں کی چھٹیاں اس نے ڈاکٹر کی کڑوی کسیلی دوائیاں کھا کر گزریں۔اس کے علاوہ خالد اور اس کے دوستوں نے مانی اور جانو کا خوب ہی مذاق اڑایا۔

آخر مانی کی قمیص کسی جن نے تھوڑی پکڑی تھی وہ تو درخت کی سخت چھال میں اٹک کر پھٹی تھی۔خالد اور اس کے دوستوں نے جانو کے صحت یاب ہوتے ہی ڈرائے جانے کی کوشش کا بدلہ لے لیا تھا۔

کیسے بدلہ لیا یہ اگلی بار سہی۔

☆......☆......☆



کمرے میں گھپ اندھیرا تھا اور ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، اس عجیب اور وحشت زدہ ماحول میں فیضان کو چند لوگ اس امتحان میں زبردستی لے گئے۔ وہ چاہتا ہی نہیں تھا کہ اس امتحان میں شرکت کرے مگر لے جانے والوں نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے گھپ اندھیرے میں امتحان دینے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

فیضان کو گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی کہ اچانک کمرے میں دو ہیبت ناک شکل کے لوگ حاضر ہوئے۔ فیضان کو ان سے خوف آنے لگا مگر اسے معلوم تھا کہ اس سے اس قسم کے دو آدمی زبانی امتحان لیں گے۔ مارے خوف کے فیضان کپکپانے لگا۔

اچانک ان میں سے ایک کے لب ہلے:

سوال نمبر 1: تمہارا رب کون ہے؟

فیضان پہلے سوال پر بھونچکا رہ گیا۔ یہ کس قسم کا سوال ہے۔ مگر اس کی کسی بات پر کوئی ردعمل نہیں آیا اور سوال ایک بار پھر دہرایا گیا۔

”میرا رب۔ پ۔۔۔۔۔ پیں۔۔۔۔۔ پیسہ ہے۔“ یہ میں کیا بول رہا ہوں۔ فیضان نے دل میں سوچا۔ میں تو اللہ بولنا چاہ رہا تھا۔۔۔ یہ نکل کیا رہا ہے۔ فیضان گھبرا گیا۔ اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

”سوال نمبر 2: تمہارا دین کیا ہے؟“

انھوں نے فیضان کی ہکلاہٹ کا نوٹس لیے بغیر اگلا سوال کیا۔

”مم۔۔۔ میرا دین“ فیضان نے محسوس کیا کہ

وہ جو بولنا چاہ رہا ہے وہ بول نہیں پا رہا۔"مم۔۔۔۔ میرا دین معلوم نہیں"، فیضان دھک سے رہ گیا کہ میں نے کیا کہہ دیا مگر بات تو سو آنے درست تھی۔اس کے تو سارے کام الٹے سیدھے تھے۔

سلام کی جگہ ہیلو سے یا گڈ مارننگ (Good morning) سے اس کے دن کا آغاز ہوتا۔ پیسہ اس کی جان تھی اور جب تھوڑا بڑا ہوا تو کبھی وہ عیسائیوں، یہودیوں کی باتوں سے متاثر ہوتا اور کبھی اپنے آپ کو انگریزوں جیسا بنانے کی کوشش کرتا۔اپنے مذہب"اسلام"کے حوالے سے اس نے آج تک کوئی کتاب ہی نہیں پڑھی تھی اور نہ ہی کبھی وہ اللہ والے کی بات سننے کو تیار ہوتا بلکہ وہ اللہ والوں کی دوستی سے دور بھاگتا تھا اور کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ وہ جس جگہ پر چہرے پر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سجائے ہوئے شخص کو دیکھتا تو جلدی سے وہاں سے گزر جاتا یا راستہ تبدیل کر لیتا۔کیونکہ وہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو چہرے پر سجانا بڑھاپے کی علامت سمجھتا اور اسے مولوی بننے سے نفرت تھی۔دراصل جس شخص کے چہرے پر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی ہے تو اس کو لوگ مولوی کے نام سے پکارتے ہیں اسی وجہ سے وہ مولوی کہلانے کی بجائے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا قاتل ہو چکا تھا۔

نیز انڈین، پاکستانی، انگریزی اور دوسری تیسری فحش فلمیں کا وہ ان کا اس قدر رسیا ہو گیا تھا کہ زندگی کے بیشتر کام ہندوؤں اور انگریزوں والے طور طریقوں کی طرح کرتا۔اکثر لوگ اسے کہتے:"یار تیرا کوئی دین ہی نہیں"وہ ان کو جواب دیتا کہ آج کل دین کون سمجھتا ہے، ماڈرن دور ہے آپ کو کیا پتا؟

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے، اچانک تیسرا سوال کیا گیا۔

"تمہارا نبی کون ہے؟"

"میرا نبی۔۔۔۔۔۔مغرب۔۔۔۔۔۔"

نہیں۔۔۔۔یہ میں کیا بول رہا ہوں۔فیضان حیران رہ گیا۔

وہ سوچنے لگا تو اسے سب حقیقت لگنے لگا۔اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات پر بھی عمل نہیں کیا تھا۔اس نے ہمیشہ مغرب کی تقلید، عریانی، فحاشی اور خدا کو بھولنا معمول تھا۔وہ مغرب کا شیدائی تھا اور ان جیسا بننے کا خواہش مند، مغربی لوگ اس کے آئیڈیل تھے اور وہ ہمیشہ ہی مغربی لوگوں کی مثالیں اپنی زندگی میں سنتا اور سناتا۔اچانک جھماکا ہوا وہ دو ہیبت ناک شکل والے لوگ غائب ہو گئے۔

فیضان چیخنے لگا:

"یہ میرے ساتھ دھوکا ہے، فراڈ ہے، مجھے پھنسانے کی کوشش ہے۔مجھے ناکام بنانے کی سازش ہے۔"

لیکن اس گھپ اندھیرے کمرے میں اس کی بات گھٹ کر رہ گئی اور اچانک اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے کمرے کا حصار اس کے گرد تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ وہ چیخنے لگا مگر اس کی آواز سننے وہاں کوئی نہیں تھا۔

دھوپ کی حدت سے فیضان کا چہرہ ٹماٹر کی طرح سرخ ہو چکا تھا وہ بار بار ماتھے پر پسینہ پونچھ چکا تھا مگر پسینہ تھا کہ رکنے ہی نہیں آ رہا تھا۔ گرمی سے بچنے کے لیے وہ بار بار پہلو بدلتا مگر اس کی بے چینی میں ذرا بھر کمی نہ آئی تو اسے رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ اگر وہ اس کام میں پھرتی دکھاتا تو وہ بھی ایک ٹھنڈے کمرے میں بیٹھ کر پرچہ حل کرنے میں مگن ہوتا۔ آج اس کا پرچہ تھا اس اس امتحان میں ضرور پاس ہونا تھا، اگر پاس نہ ہوتے تو مستقبل بھیانک ہو جاتا۔

سخت گرمی اور زمین تانبے کی شکل اختیار کر گئی ہو تو اسے کمروں کی بجائے باہر صحن میں بیٹھ کر امتحان دینا تھا۔ سورج سوا نیزے پر چمک رہا تھا۔ آخر کار مقررہ وقت پر فیضان کو بھی پرچہ دیا گیا۔ گرمی کی وجہ سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ پرچہ جلد از جلد حل ہو جائے پرچہ دیکھ کر فیضان کے پسینے چھوٹ گئے۔ اب وہ مزید پسینہ میں ڈوب کر رہ گیا۔

پہلا سوال اس کے سامنے تھا تو گرمی اوپر سے سوال بھی ایسا کہ جس کا جواب اس کے پاس تسلی بخش نہ تھا۔

اس حصے میں کل چار سوال تھے۔

پہلا سوال تھا: ”جوانی کن کاموں میں خرچ کی؟“

”جوانی۔۔۔۔!“ فیضان زیر لب بڑبڑایا۔

جوانی کا تو پتا ہی نہ چلا اور وہ گزر گئی۔ ماں باپ سمیت ہر کسی کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھا۔ خود کو عقل کل سمجھا۔ کسی کی نصیحت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر سن بھی لیتا تو اس کا مذاق اڑاتا۔ گانوں اور فلموں اور دوسری تیسری بری چیزوں سے اتنا عشق ہوا کہ اداکاری کا شوق پڑ گیا اور پھر پتا ہی نہ چلا کہ بڑھاپا آ گیا۔

اس کی نظر دوسرے اور تیسرے سوال پر پڑی:

”مال کیسے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟“

اس نے لکھنا چاہا کہ حلال طریقے سے۔۔۔ مگر اس کا قلم کچھ اور کہانی لکھ رہا تھا۔

حلال طریقے سے کمایا مگر وہ میری عیاشیوں کے لیے کم تھا نئی نئی فلمیں خریدنا، مذاق اڑانے والے اور مذاق کرنے والے چینلز کو دل جوئی سے دیکھنا اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل کرواتا یعنی میں اپنے چہرے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا قتل پیسے دے کر کرواتا وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔ بھلا اپنی حلال روزی سے کیسے کماتا۔

پھر ناجائز استعمال کیے اور جہاں کبھی موقع ملا پیسوں کا انبار جمع کرتا رہا، غربا پر تقسیم (خرچ) نہ کیے اور ان پر آستین کا سانپ بن کر بیٹھا رہا۔ مگر

ہائے افسوس وہ دولت اب میرے کس کام کی اور نہ ہی میں نے اللہ کے راستے پر خرچ کیا۔

یہاں تک لکھ کر فیضان کے قلم نے لکھنا بند کر دیا۔ وہ من گھڑت (جھوٹ) لکھنے کی کوشش کرتا مگر قلم وہی لکھتا جو حقیقت تھی۔

''مال کہاں خرچ کیا؟''

شاپنگ میں۔۔۔خوب صورت گھر سجانے میں۔ بیوی بچوں سمیت یورپ جا کر وہاں کے ساحلوں پر دھوپ سینکنے میں خرچ کیا؟ اور کبھی خیال تک نہ آیا کہ فیملی کے ساتھ عمرہ یا حج کرتے ہیں۔ کشمکش میں مبتلا وہ سوچ رہا ہے جس طرح اس تاریک کمرے اس کا حشر ہوا تھا کہیں یہاں بھی فیل ہونے پر وہ کسی سزا کا مستحق قرار نہ پائے۔

آخری سوال تو فیضان کے سر سے گزر گیا۔

''اپنے علم پر عمل کتنا کیا؟''

اس نے تو فنی سکول میں تعلیم حاصل کی تھی، دینی تعلیم کو تو وہ نالائق طالب علموں کے لیے سمجھتا تھا اور جو کوئی اسے اگر دینی تعلیم کی ترغیب دلاتا تو وہ اسے کہتا کہ آج کل تو ماڈرن دور ہے پرانے زمانے کے طالب علم دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے، ویسے بھی میں نے کون سا مولوی بننا ہے؟ مولوی تو ہوتے ہی ایسے ایسے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان مولویوں نے بڑی داڑھیاں رکھی ہوتی ہیں وہ یہ کرتے ہیں، یہ کرتے ہیں پھر ممبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر دین ہم کو سکھاتے ہیں۔

اس بدنصیب کو یہ نہیں پتا کہ اس کل کائنات میں سب سے خوبصورت، اعلیٰ، حسین و جمیل چہرہ خاتم النبیین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور ان کے چہرے اطہر پر داڑھی تھی اور اس کے والدین کا بھی یہی منشور تھا وہ بھی اس کو دنیاوی تعلیم حاصل کروانا چاہتے تھے اور اس کے والدین کہتے تھے کہ بے وقوف لوگ اپنے بچوں کو اس قسم کی (دینی) تعلیم حاصل کرواتے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہیں (نعوذ باللہ)

فیضان پریشانی کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا وہ یقیناً ناکام ہو چکا تھا اچانک فیضان کو محسوس ہوا کہ گرمی کی شدت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس نے آسمان پر نگاہ ڈالی تو دھک سے رہ گیا۔ سورج آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھنے لگا۔ سورج آگ کی مانند لگ رہا تھا جس میں آگ بھڑک رہی تھی اور وہ بھی مسلسل۔

فیضان کا خوف کے مارے رنگ پیلا ہو گیا۔ ایک ایسا خوف جو اس سے پہلے شاید ہی کسی کے چہرے پر نظر آیا ہو اور پھر سورج فیضان پر آ رہا ہے کہ اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر وہ چیخنے چلانے لگا اور اس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ اپنے بستر پر پسینے سے شرابور پڑا تھا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ ابھی زندہ ہے اور اس کو اصل امتحان سے قبل ہی اس کی ہولناکی سے آگاہ کر دیا گیا۔ وہ زمانہ سکول کے وقت امتحانوں (ٹیسٹوں)

سے نفرت کرتا تھا مگر آج اس کو ان کی اہمیت کا پتا چلا تھا۔ اس نے اپنا دل ہلکا کرنے کے لیے اپنا موبائل فون آن کیا اور زندگی میں پہلی بار نعت کی سرچ کی جو اس کے سامنے جانی پہچانی صورت تھی۔ اس کے کانوں میں مسحور کن آواز گونج رہی تھی۔

گناہوں کے دن تھے جو میں نے گزارے
پشیماں میں ان پر جو لمحے تھے سارے
ڈوب رہا ہوں گناہوں میں مسلسل
خدایا لگا دے کنارے

وہ نئی زندگی کے لیے وضو کرنے چلا گیا۔ واپس آیا تو آوازیں اب بھی آرہی تھیں:

میرے آنسو سوالی ہیں تیرے
گر رہے ہیں یہ دامن پہ تیرے
اب تو سن لے میری اے خدا!

پتا نہیں آواز میں کیا درد تھا، ندامت تھی۔ سچی تڑپ تھی چنانچہ اس کی آنکھوں سے بارش کی طرح آنسو ٹپک ٹپک کر گرنے لگے۔

☆......☆......☆

عائشہ بنت جواد

دال بہت لذیذ ہے

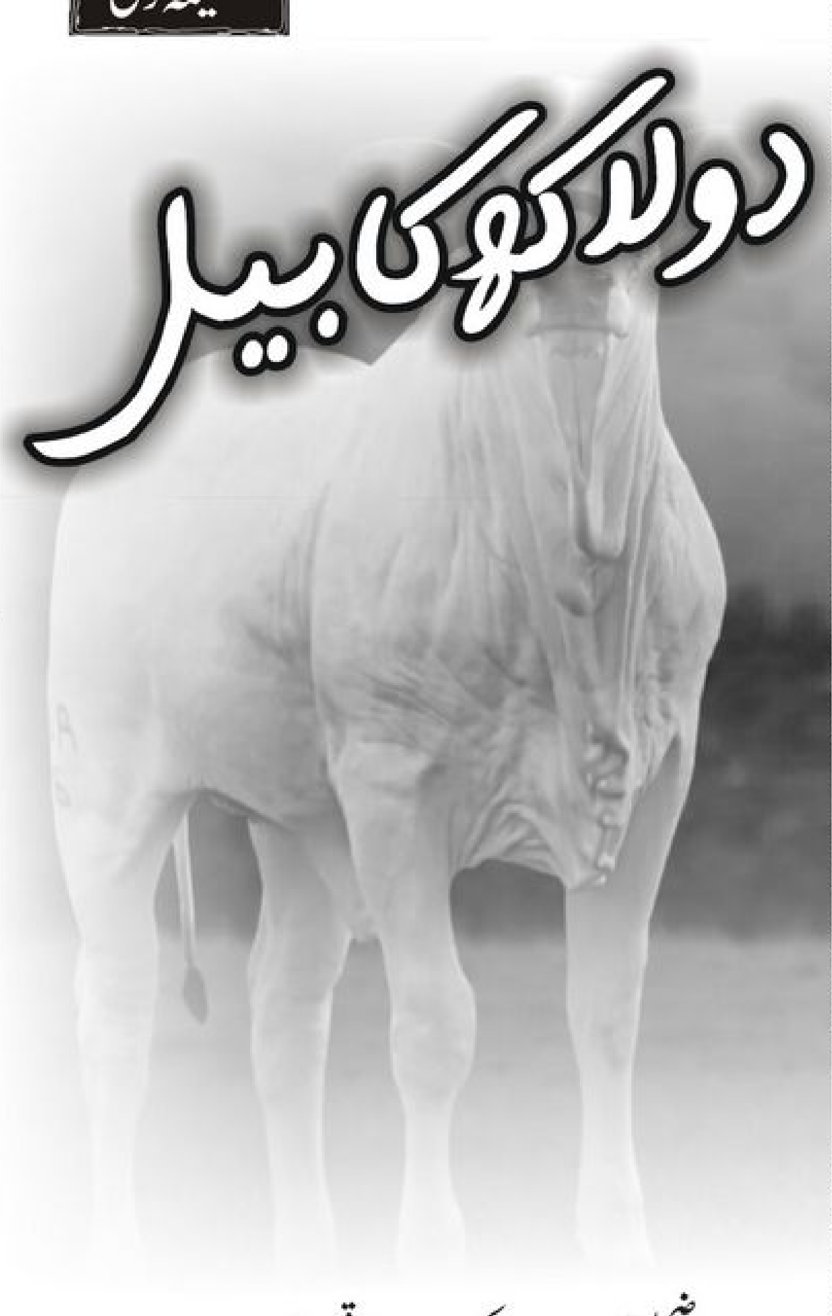
سفید کرتا پاجامہ واسکٹ پہنے ایک صاحب گلی سے گزر رہے تھے کہ اوپر سے کسی نے باسی دال کی دیگچی الٹ دی۔ سفید پوش صاحب چیخے ابے ہمت ہے تو سامنے آ یہ بزدلوں کی طرح دال پھینک کر چھپ کیوں گیا ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک چھ فٹا ہٹا کٹا پہلوان سیڑھیاں الانگھتا نیچے آیا۔ ہاں جی بتاؤ کیا تکلیف ہے؟

سفید پوش صاحب نے پہلے خود کو اور پھر پہلوان کو جانچا اور پھر متانت سے کہا ارے صاحب کچھ نہیں۔ آپ نے جو دال پھینکی وہ اتنی لذیذ ہے کہ سوچا آپ کو نیچے بلا کر اس کی ترکیب ہی پوچھ لیں۔

☆☆☆☆

تسلیمہ موسیٰ

دو لاکھ کا بیل



عید الاضحیٰ میں صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا، مویشی منڈیوں میں خریداروں کا رش تھا، ہر مسلمان سنتِ ابراہیمی کی ادائیگی کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق جانور خرید رہا تھا۔

ایوب صاحب جو کہ مالی حیثیت میں کافی مضبوط تھا، آج وہ اپنے بیٹے کے ساتھ مویشی منڈی میں قربانی کے لئے جانور خریدنے آیا تھا۔ وہیں خورشید صاحب جو کہ ایوب صاحب کا پڑوسی اور محلہ دار بھی تھا وہ بھی قربانی کا جانور خریدنے آیا تھا۔ وہ پیشے کے لحاظ سے استاد تھا۔ وہ مالی حیثیت میں کافی کمزور تھے۔ مگر پھر بھی وہ قربانی چاہتے تھے، اس نے کچھ بچت کر کے اتنے پیسے جمع کر لئے تھے کہ ایک اچھا سا بکرا خرید کر قربانی کا فریضہ ادا کر سکے۔

ایوب صاحب دکھلاوا بہت کرتے تھے، وہ ہر چیز مہنگی خریدتا تھا، تاکہ محلے داروں میں اس کی واہ واہ ہو، لوگ اس کی تعریف کریں اس نے قربانی کے لئے دو لاکھ کا مہنگا بیل خریدا تھا۔ وہ سفید رنگ کا موٹا خوبصورت بیل تھا۔

وہیں خورشید صاحب نے بیس ہزار کا بکرا خریدا تھا، ایوب صاحب جونہی اپنے دو لاکھ بیل کیساتھ گلی میں داخل ہوئے، پاس اطراف سے محلے دار جمع ہونے لگے اور ایوب صاحب کے موٹے بیل کو دیکھ کر اس کی قیمت پوچھنے لگے اور ایوب صاحب سب کو فخر سے بتا رہا تھا کہ "دو لاکھ والا بیل"

ہے۔سب ایوب صاحب کی تعریفیں کرنے لگے کہ وہ دولاکھ والا بیل قربانی کر رہا ہے، جب وہیں خورشید صاحب اپنے بیس ہزار والے بکرے کیساتھ گلی میں داخل ہوئے تو سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

جمیل نے پوچھا خورشید میاں کتنے کا بکرا خریدا ہے،۔خورشید صاحب مسکرا کر بولے۔

"بیس ہزار کا، بس اللہ قربانی قبول کرے"

ایوب صاحب اس کا مذاق اڑاتے ہوئے بولا۔

"یہ مریل ہڈیوں کا ڈھانچہ بکرا ہے، اس کا گوشت تم کھاؤ گے یا پھر تقسیم کرو گے؟ بھئی اگر جانور خریدنا تھا تو مہنگا خریدتے۔میری طرح دیکھو کتنا مہنگا خریدا ہے پورے دولاکھ کا"

"ایوب بھائی! میری جتنی حیثیت تھی اسی کے مطابق خریدا ہے،اور ویسے بھی اللہ نیت دیکھتا ہے جانور نہیں" خورشید صاحب بولا۔

"ہونہہ! استاد اور اس کی باتیں! سچ تو ادھر کسی کو ہضم ہی نہیں ہوتا۔

سچ بات کہو تو ڈھونڈ ڈھانڈ کے باتیں لے آتے ہیں" ایوب صاحب نے ناک سے مکھی اڑاتے ہوئے نخوت سے بولا۔ہریرہ کو اپنے باپ کی یہ بات بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔اب تو اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے ایوب صاحب ہر کسی کو اپنے دولاکھ والے بیل کے بارے میں بتاتے۔

بیل کو لیکر باہر گلی میں پریڈ کراتا جو وہاں رکتا تو اسے دولاکھ والے بیل پر خوب لیکچر سناتا اور اپنے دولاکھ والے بیل کیساتھ خورشید صاحب کے بیس ہزار والے بکرے کا موازنہ کرتا۔اب تو لوگ بھی اس کے دولاکھ والے بیل کی تعریفیں سن سن کر تنگ آ گئے تھے، جب دیکھتے کہ راستے میں ایوب صاحب اپنے دولاکھ والے بیل کیساتھ کھڑا ہے تو وہ راستہ ہی بدل لیتے۔

ہریرہ اپنے باپ کی حرکتیں دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنی قربانی کا پورا اجر ضائع کر رہا تھا۔اسے افسوس ہو رہا تھا اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال کوندا کہ کس طرح وہ اپنے والد کو راہ راست پر لا سکتا ہے۔

عید الاضحیٰ میں صرف ایک دن باقی تھا، ایوب صاحب ہریرہ کو نماز کے لئے بلانے آیا تو اس نے دیکھا ہریرہ نیچے بیٹھا تھا، سامنے ہی فرش پر گلک ٹوٹا پڑا تھا۔

پاس ہی نیلے سرخ نوٹ پڑے تھے جسے ہریرہ اٹھا کر جمع کر رہا تھا۔ایوب صاحب اسکے پاس آ کر بیٹھ گیا اور نوٹ جمع کرنے میں اس کی مدد کرنے لگا۔

"گلک کیوں توڑا بیٹا؟"

ایوب صاحب نے پوچھا۔

"ابو جان! میں نے ناں قربانی کے لئے بکرا خریدنا ہے۔" ہریرہ نے سو کا نوٹ فرش سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"وہ کس لئے بیٹا؟ ہم قربانی تو کر رہے ہیں"

وہ حیران ہوا۔

''وہ بھی دولاکھ والے بیل کی'' ہریرہ اداس مسکراہٹ کیساتھ بولا۔

''مگر ابو! وہ تو قبول ہی نہیں ہوگی''

''کیا مطلب؟ کیوں قبول نہیں ہوگی اور کس نے تم سے یہ کہا ہے؟'' ایوب صاحب کو برا ہی لگ گیا تھا۔

''ابو! رات کو میں نے ایک خواب دیکھا'' ہریرہ نے باپ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیسا خواب؟''

''ابو! میں نے دیکھا کہ ایک بڑا سا میدان ہے وہاں سب لوگ اپنے اپنے قربانی والے جانور کیساتھ کھڑے ہیں باری باری آسمان سے ایک روشنی آتی اور جانور کو لے جاتی۔ وہیں خورشید انکل کا بقول آپ کے مریل سا بیس ہزار والا بکرا بھی قبول ہوگیا پتہ ہے کیوں بابا؟ کیونکہ انکی نیت خالص تھی میں نے دیکھا آپ بھی اپنے دولاکھ والے مہنگے بیل کیساتھ میدان میں کھڑے ہیں مگر روشنی اس طرف نہیں لپکتی آس پاس چاروں اطراف گھوم کر واپس چلی جاتی، بیل کا یہ حال تھا کہ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا، گوشت نام کی کوئی چیز ناں تھی وہ بہت افسردہ کھڑا تھا۔ خورشید انکل کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

میں حیران تھا کہ آپ نے تو اتنا مہنگا اور موٹا جانور خریدا تھا پھر وہ کیونکر قبول نہیں ہوا۔ پتہ ہے کیا جواب ملا؟'' ہریرہ نے باپ سے پوچھا۔

وہ ہونق بنا بیٹے کی باتیں سن رہا تھا جواب ناں پا کر ہریرہ خود ہی بول پڑا۔

''جواب آیا کہ اللہ ریاکاری والی قربانی قبول نہیں کرتا وہ تو مہنگا سستا نہیں دیکھتا وہ خلوص و نیت دیکھتا ہے مگر میرے باپ نے تو اپنے دو لاکھ والے بیل کو پورے محلے میں گھما کر اسکی تشہیر کر کے سارا اجر ضائع کر دیا اور اب جب کہ ہماری ریاکاری والی قربانی قبول نہیں ہوگی تو میں نے سوچا کہ پیسے جمع کر کے ایک اچھا سا بکرا خرید کر اللہ کی راہ میں قربانی کروں۔ اس طرح اس سال ہماری بھی قربانی ہوجائے گی، بس اسی لئے ابو جان میں پیسے گن رہا تھا''

ہریرہ نے ایوب صاحب کے سامنے پڑا پانچ سو کا نوٹ اٹھایا تو اسکے ہاتھ کی پشت پر آنسو گرا، ہریرہ نے چونک کر سر اٹھایا تو آنسو اس کے باپ کی آنکھ سے گرا تھا، ہریرہ نے پریشان ہو کر کہا۔

''ابو جان!''

ایوب صاحب نے اسے سینے سے لگا لیا۔

اب وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا اور اللہ سے معافی مانگ رہا تھا۔ وہ جو یہ سبق بھلا بیٹھا تھا کہ اللہ ریاکاری والی قربانی قبول نہیں کرتا آج اس بھولے ہوئے سبق کو اس کے بیٹے نے اسے یاد دلا دیا تھا۔

ہریرہ خوش تھا کہ اس کی اس کوشش سے اس کا والد سمجھ گیا تھا، دروازے پر کھڑی اس کی والدہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

☆......☆......☆

محمد ذیشان فرخ

جھٹکا

عامر کی عمر چودہ سال کی تھی اور وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا جس کی وجہ سے اس نے والدین کی طرف سے بھرپور پیار اور توجہ پائی تھی۔ اس کے والدین اس کی ہر خواہش کو پورا کرتے تھے اور اس کا پورا پورا خیال رکھتے تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں خودسری کا عنصر غالب آتا جا رہا تھا جس کی وجہ سے اس کے والدین بہت پریشان ہو گئے تھے۔

بجائے اس کے کہ عامر اپنے والدین کا شکر گزار ہوتا، اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہر جائز اور ناجائز خواہش کرنا اس کا حق اور اس خواہش کو پورا کرنا اس کے والدین کا فرض ہے۔ اس منفی سوچ کی وجہ سے اب وہ اپنے والدین کو بے انتہا تنگ کرتا تھا اور بات بات پر ان سے جھگڑا کرتا تھا اور جب تک اس کی خواہش پوری نہیں ہو جاتی، وہ اپنی ضد پر اڑا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے والدین سے بداخلاقی سے بھی پیش آنے لگا تھا۔

آج بھی اسکول سے عامر واپس آیا تو امی نے ہمیشہ کی طرح مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔

"آ گیا میرا بیٹا! چلو ہاتھ منہ دھو لو اور کپڑے بدل لو بیٹا! میں کھانا لگاتی ہوں۔"

"امی! مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ میرے پاس ہاتھ منہ دھونے کا وقت نہیں ہے۔ جلدی سے کھانا دیں۔ میری جان نکل رہی



ہے۔" عامر نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

"بیٹا! یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا! تم باہر سے آرہے ہو۔ ہاتھ منہ دھو کر تازہ دم ہو جاؤ اور کپڑے بدل کر آجاؤ! میں کھانا لگاتی ہوں۔ اپنی زندگی میں سلیقہ پیدا کرنا سیکھو!" امی نے سمجھاتے ہوئے اس کو تلقین کی۔

"بس اب آپ کا لیکچر شروع ہو گیا۔" عامر پاؤں پٹختا ہوا اندر چلا گیا۔

کھانے کی میز پر عامر آگ بگولا ہو گیا۔

"امی! یہ آپ نے کیا پکا دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں بینگن نہیں کھاتا۔ یہ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے؟" عامر نے کھانے کی پلیٹ کو زور سے دھکا دیا جس کی وجہ سے سالن میز پر گر گیا۔

"عامر! یہ کیا بدتمیزی ہے! تم کو معلوم ہے کہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کرنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ اگر کھانا پسند نہیں ہے تو آرام سے بھی کہا جا سکتا ہے۔ کھانے کی ناقدری نہیں کرتے۔

میں تم کو انڈا بنا دیتی ہوں۔ آئندہ ایسی حرکت مت کرنا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آج کل تم کو کیا ہو گیا ہے۔ کل تم نے اپنے ابو کے ساتھ بھی بہت بدتمیزی کی تھی اور وہ بھی صرف اس بات پر کہ وہ تمھاری پسند کی کوئی چیز لانا بازار سے بھول گئے تھے۔" امی کو عامر کی اس حرکت پر بے انتہا غصہ آ گیا تھا۔

"نہیں مجھے کھانا ہی نہیں کھانا۔ آپ لوگوں کو تو صرف ڈانٹنا آتا ہے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ میں پیدا ہی نہ ہوتا۔" عامر پاؤں پٹختے ہوئے اندر چلا گیا۔

عامر کی اس حرکت اور بات پر اس کی امی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ انھوں نے خاموشی سے برتن سمیٹے اور باورچی خانہ میں چلی گئیں۔ عامر کی اس بدتمیزی نے ان کی بھوک بھی ختم کر دی تھی۔

عامر اپنے کمرے میں آکر دھڑام سے بستر پر گر گیا۔ اس کو یہ احساس ہی نہیں تھا کہ اس نے اپنی امی کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور اپنے بستے سے چپس نکالے جو اس نے اسکول سے واپسی پر خریدے تھے۔ چپس کھانے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل کر باورچی خانہ میں آیا۔ اس نے فریج کھولا اور اس میں سے کولڈ ڈرنک نکال کر پی۔ اپنی بھوک پیاس مٹانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں واپس چلا گیا۔ اس کو یہ احساس ہی نہیں تھا کہ برابر کے کمرے میں اس کی ماں اس کی حرکت پر بھوکی سوئی ہوئی ہے۔

کمرے میں آکر وہ گہری نیند سو گیا کیونکہ شام کو اس کو کھیلنے باہر جانا تھا۔ لیکن یہ کیا ہوا! یہ تو منظر ہی تبدیل ہو گیا۔

عامر اپنے چچا کے گھر میں تھا۔ اس کے والدین ایک کار حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے۔ عامر کا رو رو کر برا حال تھا۔ اس کے چچا اور دوسرے رشتہ دار تسلی دے رہے تھے اور آپس

میں افسوس بھی کر رہے تھے کہ اتنی چھوٹی عمر میں بچہ یتیم ہو گیا۔ عامر غم کے مارے نڈھال ہو رہا تھا۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ والدین کے بغیر زندگی کس طرح گزرے گی۔اب اسے چچا کے گھر میں ہی زندگی گزارنی تھی۔

''عامر! کھانا کھالو!''اس کی چچی نے آواز لگائی تھی۔اس نے آنسو پونچھے اور کھانے کی میز پر آ گیا۔ کھانے میں بینگن بنے تھے جو عامر کو ناپسند تھے۔

''چچی! میں بینگن نہیں کھاتا۔'' عامر کے بینگن کھانے سے انکار پر اس کی چچی کا پارہ چڑھ گیا۔

''اچھا جی! تو کیا کھلاؤں نواب صاحب کو؟ کیا پیش کروں آپ کے سامنے؟ کیا اکڑ اور نخرے پائے ہیں صاحب نے؟ ماں باپ چلے گئے اور یہ بلا ہمارے سر چھوڑ گئے۔میاں! یہ جگہ نخرے کی نہیں۔کھانا ہے تو کھاؤ ورنہ بھوکے رہو۔اور ہاں! جب ہم کھانا کھالیں تو برتن دھو دینا۔اب گھر کے کام کاج میں میرا ہاتھ بٹانا سیکھو!''

''امی! آج سے یہ ہمارے بھی سارے کام کرے گا''بڑے بیٹے عابد نے بھی ماں کے ساتھ تڑکا لگایا۔

''ہاں ہاں! کیوں نہیں! عامر آج سے تم لوگوں کے بھی کام کرے گا۔سارے نخرے اس کے نکلیں گے۔''چچی نے گھورتے ہوئے عامر کی طرف دیکھا۔

عامر کو خیال آیا کہ کس طرح اس نے اپنی امی کو کھانے پر تنگ کیا تھا اور بینگن پکانے پر کتنی بدتمیزی سے پیش آیا تھا۔اس پر بھی اس کی امی نے اس کو انڈا بنا کے دے رہی تھیں لیکن وہ کس طرح اپنے کمرے میں چیختا ہوا آ گیا تھا۔آج اس کے نخرے اٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔ آج وہ دوسروں کے رحم و کرم پر تھا۔اب اسے زندگی میں بہت کچھ سہنا تھا۔

''کیا ہوا؟ کیا سوچ رہے ہو؟ ہم نے کھانا کھا لیا ہے۔جاؤ جا کر برتن دھوؤ!''چچی نے برتنوں کی طرف اشارہ کیا۔

''ماں باپ واقعی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہوتے ہیں۔میں نے نعمت کی ناقدری کی جس پر اللہ نے مجھے سزا دی۔''

عامر کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

''یا اللہ! مجھے معاف کر دے۔ یا اللہ! مجھے معاف کر دے۔میرے ماں باپ مجھے لوٹا دے یا اللہ! میں ان کو کبھی پریشان نہیں کروں گا۔مجھے یہاں نہیں رہنا۔مجھے اپنے ماں باپ کے ساتھ رہنا ہے۔امی! ابو! کہاں ہیں آپ لوگ؟''عامر زار و قطار رو رہا تھا۔

''ارے بیٹا! کیا ہوا؟ ہم یہاں ہی ہیں۔'' عامر کی آوازیں سن کر اس کے امی ابو اس کے کمرے میں آگئے تھے۔اس کے ابو نے پیار سے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

عامر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔وہ اپنے بستر پر تھا۔

''کیا یہ خواب تھا؟'' عامر بڑبڑایا۔
''کیا خواب دیکھ لیا میرے بیٹے نے؟''
اس کی امی نے پیار سے پوچھا۔
''امی! مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ سے بہت بدتمیزی کی۔ اب میں آپ کو تنگ نہیں کروں گا۔'' عامر نے روتے ہوئے معافی مانگی۔
''ارے بیٹا! میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔'' امی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''اور ابو! آپ کو بھی تنگ نہیں کروں گا۔'' عامر نے اب ابو کی طرف رخ کیا۔
''ارے بیٹا! ہم آپ سے ناراض نہیں ہیں۔ آپ نے کیا خواب دیکھا ہے جو آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں'' ابو نے پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

عامر کیا بولتا کہ اس نے کیا دیکھا ہے۔ وہ اس خواب کو نہیں سنانا چاہتا تھا بلکہ اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔
''اگر یہ خواب حقیقت ہوتا تو!'' یہ سوچ کر ہی اسے جھرجھری آ گئی۔
یہ خواب عامر کے لیے ایک بہت بڑا جھٹکا تھا۔ ایسا جھٹکا جس نے اس کی زندگی میں بہت بڑی تبدیلی رونما کر دی تھی۔
اسے سمجھ آ گئی تھی کہ ماں باپ کی انسان کی زندگی میں کیا اہمیت ہے اور ماں باپ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہیں۔
وہ سنبھل گیا تھا۔

☆......☆......☆

نصیحت

اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی بات سنیں اور آپ کے دیئے گئے مشوروں پہ عمل بھی کریں تو اپنے اندر رحم پیدا کریں۔ لوگوں سے نرمی اختیار کریں۔ خصوصاً جب کوئی تکلیف میں ہو تو اپنی ڈانٹ ذرا موقوف کر لیں۔

زخموں پہ مرہم رکھیں گے تو لوگ تشکر سے آپ کے ہاتھ چومیں گے۔

داعی نے حکمت نہ سیکھی تو کیا سیکھا۔

عروہ بن زبیر

اسماء عامر

مغرور بکرا

آج گھر میں بچے، بوڑھے، جوان سب بہت خوش تھے جبکہ محلے والوں کی خوشی دیدنی تھی۔ ہر دو منٹ کے وقفہ پر دو چار خواتین، ایک آدھ بزرگ اور کم از کم چار چھ بچوں پر مشتمل ایک ٹولہ آتا جو فرداً فرداً سعد کے گھر میں جھانک کر دیکھتا اور پھر توصیفی نظروں سے سعد کے لان کو دیکھتا اور پھر حسرت بھری نگاہوں سے واپس چلا جاتا۔

صبح سے ان کے گھر میں محلے والوں کا تانتا بنا ہوا تھا اور یہ سب سعد کے لیے بہت صبر آزما تھا۔ جب سے چھوٹے چچا (بقول سعد کے) دیو نما بکرے کو گھر لائے تھے اس وقت سے محلے والے اس انوکھی چیز کو دیکھنے اس کے گھر آرہے تھے اور سعد اس سارے معاملے کو کوفت سے دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

بکر عید میں چند دن باقی تھے اور سعد نے سارا گھر سر پر اٹھا رکھا تھا۔ اسے ہر صورت ایک عدد بکرا اپنے گھر میں چاہیے تھا۔ اس کی ضد سے زچ آ کر چچا جان اسے منڈی لے گئے۔ منڈی میں پہنچتے ہی خوبصورت جانور دیکھ کر اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ بہت دیر تک



یوں ہی جانور دیکھنے کے بعد سعد اور اس کے چچا کو ایک بکرا پسند آ ہی گیا تھا۔

منڈی سے تھوڑا ہٹ کر دور لکڑی کی ایک باڑ کے پیچھے ایک کالے اور بھورے دھبوں والا سفید بکرا بندھا ہوا تھا جس کی قد وقامت اور جسامت کو دیکھ کر دور سے کسی بیل کا گمان ہوتا تھا۔ سعد بہت اشتیاق سے باڑ کے اُس پار بیٹھے بکرے کو دیکھ رہا تھا جو دیکھنے میں خاصا خاموش طبع معلوم ہوتا تھا۔ سعد نے باڑ میں جا کر ایک دو بار اسے پیار سے پچکارنے کی کوشش کی لیکن وہ ناز دکھتا ہوا چار قدم دور جا بیٹھا۔ سعد کو اس کا یہ غیر معمولی رویہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی تھی۔ ایک طرف چچا جان پیسوں کے معاملات دیکھ رہے تھے تو دوسری طرف سعد اس مغرور بکرے کی نفسیات پر غور وفکر کر رہا تھا اور بیچ میں مغرور بکرا منہ پھلائے بیٹھا تھا۔

”ہوسکتا ہے اپنے گھر سے دور جانے پر خفا ہو یا پسند کا کھانا نہ ملا ہو۔

ہوسکتا ہے دوستوں سے ناراض ہو جب ہی تو سب سے الگ تھلگ یہاں بندھا ہے۔“

سعد ابھی بکرے کی نفسیات پر تحقیق کر ہی رہا تھا جب اس کے چچا نے اسے آواز دے کر گھر چلنے کا اشارہ کیا اور دو آدمی بکرے کی رسی کھولنے لگے۔ سعد اپنے چچا کے ساتھ واپسی کے لیے کب کا گاڑی میں بیٹھ چکا تھا لیکن بکرا تھا کہ ہاتھ ہی نہیں آ رہا تھا۔ رسی کھلنے کی دیر تھی کہ بکرے میاں یوں بھاگے جیسے وہ موقع کی تاک میں ہوں کہ کب وہ گھڑی آئے جب وہ یہاں سے بھاگ جائیں۔ بکرا آگے آگے اور آدمی پیچھے پیچھے۔ منڈی اب بدل کر ریس کا میدان بن گئی تھی۔ اس بکرے نے ایک کہرام بھرپا کر رکھا تھا۔ ہاتھ آ کے ہی نہیں دے رہا تھا۔

سعد کو یہ معاملہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی تھی کیوں کہ جو حالت منڈی اور منڈی والوں کی اس بکرے نے کر رکھی تھی وہ عموماً بیل کیا کرتے تھے۔ بکرے نے بیل والے کرتب دکھا کر سعد کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔ بھاگتے بھاگتے وہ بند گلی میں پہنچ گیا لیکن اس کی ٹانگوں میں ابھی بھی کچھ دم خم باقی تھا جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ وہ ابھی بھی یہاں وہاں پھدک رہا تھا لیکن وہ کب تک خیر منا سکتا تھا۔ جانا تو اسے سعد کے گھر ہی تھا۔ خیر جیسے تیسے کر کے وہ اسے گھر لے آئے لیکن گھر پہنچتے ہی اس نے پھر سے اڑیل بیل کی طرح اندر جانے سے انکار کر دیا۔ اسی کھینچا تانی میں ساتھ والے چچا اشرف کی پھلوں والی ریڑھی بھی الٹ گئی اور سارا محلہ جمع ہو گیا۔

بکرے میاں نتھنے پھلائے بیچ دروازے میں اکڑ گئے جیسے گلے میں پھنسی ہڈی۔ اگلی جائے نہ نگلی جائے۔ سعد کو اس بکرے پر خوامخواہ کا غصہ آ رہا

تھا۔ ڈھیر سارا نقصان برداشت کرنے کے بعد انہوں نے بکرے کو لا کر سعد کے باغیچے میں باندھ دیا اور سعد کا مارے غصے کے سر چکرانے لگا۔ اسے یہ باغیچہ جان سے بھی زیادہ عزیز تھا جسے اس نے بڑی محبت اور محنت سے پھولوں، پھلوں اور پودوں سے سجایا تھا۔ بکرے نے آتے ہی سب کچھ غارت کر دیا۔ سعد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے اٹھا کر باہر پھینک دے لیکن کس منہ سے؟ بکرے کی آمد بھی تو اس کی اپنی ضد کا نتیجہ تھی۔

"سعد! آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ جائیں جا کر آپ بھی بکرے کے ساتھ کھیلیں۔" سعد کو منہ لٹکائے دیکھ کر اس کی بڑی آپا نے اس سے کہا۔

"مجھے نہیں کھیلنا اس مغرور بکرے کے ساتھ آتے ہی میرے باغیچے کو گنجا کر دیا۔"

سعد نے نتھنے پھلا کر کہا۔

"ایسا نہیں کہتے قربانی کے جانور سے محبت کرنی چاہیے وہ ہمارے ہاں چند دنوں تک اللہ کا مہمان ہوتا ہے۔ اس کی خدمت کرنی چاہیے۔" آپا نے سعد کو پچکارتے ہوئے کہا۔

"یہ کیسا مہمان ہے جس نے آتے ہی میرے باغیچے کا حشر بگاڑ دیا۔" سعد کو اپنے باغ کی حالت دیکھ کر صدمہ ہو گیا تھا۔

"بہت بری بات ہے سعد! میں دیکھ رہی ہوں جب سے وہ آیا ہے بھوکا بیٹھا ہے آپ نے اسے کچھ نہیں کھلایا۔ مہمانوں کے ساتھ بھلا کوئی ایسے کرتا ہے؟" جب آپ اس کا خیال رکھیں گے اس کی خدمت کریں گے تو وہ خود ہی آپ سے مانوس ہو جائے گا اور باغیچے کا کیا ہے وہ پھر سے ہرا بھرا ہو جائے گا۔" آپا نے اسے سمجھایا۔

"آپ نہیں جانتیں اس نے منڈی میں کیا ادھم مچایا تھا اور یہاں بھی اشرف چچا کا اتنا نقصان کر دیا یہ بہت مغرور بکرا ہے مجھے اس کے ساتھ نہیں کھیلنا۔" اس نے لمبے لمبے کانوں والے بکرے کو غصے سے دیکھ کر کہا۔

"یہ جگہ اس کے لیے نئی ہے اور وہ اپنے گھر والوں سے بھی دور ہے اس لیے اس نے یہ سب کیا اگر آپ اس کی جگہ ہوتے تو کیا کسی کے ساتھ آرام سے چلے جاتے کیا؟" اب کی بار آپا نے اسے دلیل دی تو سعد کو اس پر ترس آنے لگا۔

سعد اس کے پاس گیا اور پیار سے اسے سہلانے لگا۔ وہ آرام سے بیٹھا تھا شاید تھک گیا تھا۔ سعد نے اسے پانی پلایا۔ بظاہر تو راوی چین ہی لکھ رہا تھا لیکن پھر اچانک وہ پانی پیتے پیتے رک گیا تو سعد اس کے قریب جا کر غور سے دیکھنے لگا۔ بکرے نے زور سے پانی میں پھونک ماری تو سارا پانی سعد کے اوپر آ گرا۔ سعد ہونق بنا اسے دیکھنے لگا اور بکرے میاں گھوڑوں کی طرح ہنہنانے لگے جیسے کوئی بڑا کارنامہ سر انجام دیا ہو۔ سعد بھیں بھیں کرتا

ہوا اندر بھاگ گیا اور مغرور بکرا بڑی شان سے نرم ملائم گھاس پر بیٹھ گیا۔

☆......☆......☆

"اب آئے گا مزہ۔" بکرا سعد کے باغیچے میں بیٹھ کر مزے سے سرسبز پتے کھا رہا تھا جب سعد چپکے سے اس کے پاس گیا اور پاؤں کی ٹھوکر سے پتوں والا ٹب الٹا دیا۔ سارے پتے بکرے کے منہ پر آ گرے۔

"اسے کہتے ہیں ادلے کا بدلہ۔" سعد نے منہ چڑاتے ہوئے کہا اور بکرا بیچارا منہ بنا کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

سعد کو بہت حیرانی ہوئی کہ آج اس نے کوئی جوابی وار نہیں کیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بکرے کے پاس گیا اور پیار سے اسے سہلانے لگا۔ آج بکرا خلافِ معمول بدکا نہیں بلکہ سعد کے مزید قریب ہو کر اسے پیار کرنے لگا۔

سعد سمجھ گیا کہ اب وہ اس سے دوستی کرنا چاہتا ہے لیکن اب تو عید میں صرف دو دن باقی تھے۔ سعد کو بہت دکھ ہوا۔ وہ بکرے سے خاصا مانوس ہو چکا تھا۔ بھلے وہ ایک دوسرے کو ستاتے رہتے تھے لیکن اسے بکرے کے ساتھ کھیلنے میں مزا آتا تھا۔ اس کے لیے سبز پتے لانا اور امرود کی شاخ سے اسے چھیڑنا اس کے کانوں کے ساتھ کھیلنا اسے اچھا لگتا تھا۔ بکرے کا سب سے پسندیدہ کھیل پانی پیتے ہوئے سعد پر پانی گرانا تھا۔

"تم ہمارے گھر میں اللہ کے مہمان ہو اور مہمان کچھ دن ٹھر کر چلے جاتے ہیں تمہیں بھی جانا ہے۔" سعد نے مسکرا کر اسے پچکارا اور آنسو صاف کرتا ہوا اندر چلا گیا۔

بکرا سعد کی پشت کو نرمی سے تک رہا تھا۔

☆......☆......☆

اللہ تعالیٰ کی رحمت

سید الحفاظ ابو زرعۃ الرازی رحمہ اللہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو فرمایا: "اے اللہ! میں تیرے دیدار کا مشتاق ہوں!" پھر کہنے لگے: "اگر مجھ سے پوچھا جائے گا کہ کس عمل کی بنا پر تم میرے دیدار کا شوق رکھتے تھے؟! تو میں کہوں گا: یارب! تیری رحمت کی بنا پر!

مریم بنت جواد

"کیا ہوا گڈو ایسے کیوں منہ لٹکائے بیٹھے ہو؟" تانیہ اسے اداس دیکھ کر بولی۔

"کیا ابا کالایا بکرا پسند نہیں آیا؟"

"نہیں۔"

وہ ایک لفظ کہہ کر اسے حیرت زدہ کر گیا۔

"کیوں وہ تو اتنا کیوٹ ہے۔۔۔موٹو سا روئی کے گالے جیسا سفید۔"

"چھوڑو سفید ہو یا کالا۔۔۔صرف ایک بکرا وہ بھی اتنا چھوٹا سا۔۔۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ایسے کیوں بولتے ہو۔۔۔قربانی کے جانور کو ایسے کہتے ہیں؟ میں ابھی ابا سے شکایت لگاتی ہوں۔" تانیہ یہ کہہ کر باہر بھاگی اور وہ منہ پھلائے بیٹھا رہ گیا۔

☆......☆......☆

"ابا گڈو کو دیکھیں وہ قربانی کے جانور کو کیا کہہ رہا ہے۔" تانیہ نے ساری بات جا کر ابا کو بتائی۔

اس کی بات سن کر ابا تو خاموش رہے پر اماں کو بہت برا لگا۔

"یہ لڑکا بہت سر چڑھتا جا رہا ہے ابھی اس کی خبر لیتی ہوں۔"

"رہنے دو بہو۔۔۔میں خود اسے پیار سے سمجھاؤں گی۔ یہ عمر ایسی ہی ہوتی ہے۔بچہ ہی تو ہے۔" دادی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

"گڈو ذرا بکرے کو باہر ٹہلا کر تو لے آؤ۔" وہ ناشتہ کر کے جونہی باہر آیا صحن میں رکھے تخت پر بیٹھی دادی نے اسے مخاطب کر کے بولیں۔

"میں اس کو نہیں لے کر جاؤں گا۔"

ہماری قربانی



بنت مسعود احمد

انداز دوٹوک تھا۔
''بس میں نہیں لے جاسکتا۔''
''سب دوست میرا مذاق اڑائیں گے۔''
''کیوں اڑائیں گے مذاق۔۔۔وہ لوگ بھی تو اپنے جانوروں کو ٹہلانے نکلتے ہیں۔''
''دانش کے یہاں دو بکرے آئے ہیں اور نواز کے یہاں بڑا سا بیل آیا ہے۔۔۔طلحہ لوگ ایک بکرا اور ایک بچھیا لا ئیں ہیں۔۔اور ہمارے یہاں صرف ایک بکرا وہ بھی اتنا چھوٹا سا۔۔۔سب میرا مذاق اڑائیں گے۔''
وہ یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا اور دادی کے چہرے پر اداسی در آئی۔

☆......☆......☆

''دادی آج آپ کے پاس لیٹ جاؤں؟''
دس سالہ گڈو دادی کے کمرے کی دہلیز پر اپنا تکیہ لیے کھڑا پوچھ رہا تھا۔
''ہاں آجاؤ بیٹے۔''
انہوں نے محبت سے اسے بلایا۔
اکثر تانیہ ہی ان کے پاس سوتی تھی مگر کبھی کبھی وہ بھی سونے آجاتا تھا۔اجازت پا کر ان کے پاس بیڈ پر آلیٹا۔وہ آج دادی سے بہت اہم بات کرنے آیا تھا۔
''دادی کیا ہم ایک اور بکرا نہیں لا سکتے؟''
وہ کروٹ کے بل ذرا سا اونچا ہوا اور ان سے سوال کیا۔
''بیٹے گھر میں جتنے افراد ہوتے ہیں انہی کے حساب سے قربانی کی جاتی ہے۔''
وہ مسکرا کر بولیں۔
''دادی ہم پانچ افراد ہیں اور بکرا تو صرف ایک ہی آیا ہے۔''وہ ان کے ہاتھ میں موجود تسبیح کے دانوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔
''تم اور تانیہ ابھی چھوٹے ہو تم پر قربانی واجب نہیں۔باقی ہم بڑوں کی طرف سے قربانی کے دو حصے تمہارے ابو نے اس بار سیلاب زدگان کے لیے کی جانے والی قربانی میں دے دیئے اور تیسرے حصہ میں ایک بکرا گھر لے آیا ہے۔''دادی اسے ساری بات تفصیل سے سمجھاتے ہوئے بولیں۔
''یہی تو۔۔۔ایک بکرا ہے صرف۔۔اب میرے دوست یہی بولیں گے کہ ہمارے ہاں صرف ایک ہی بکرا آیا ہے ان کو کیا معلوم کے ابا نے کہیں اور بھی کی ہے قربانی۔''
کسی کو پتہ ہو یا نہ ہو بیٹے مگر اللہ تعالیٰ کو تو ہر بات کی خبر ہے۔ہم یہ قربانی اللہ ہی کے لیے تو کرتے ہیں۔ ہمارے نیت دکھلاوے کی نہیں ہونی چاہیے۔''وہ اس کا سر محبت کے سہلا کر بولیں۔
''مگر دادی۔۔۔یہ تو ہماری بڑی عید ہوتی ہے جس پر سب لوگ جانور لے کر آتے ہیں۔''
''بیٹے اس عید پر قربانی کیوں کی جاتی ہے یہ بات جانتے ہو؟''
''نہیں''
''تو سنو۔کہ یہ قربانی کس لیے کی جاتی ہے۔''
وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

☆......☆......☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نہایت

ہی فرمانبردار اور اطاعت گزار نبی تھے۔وہ اللہ کا ہر حکم بجالاتے۔اللہ تعالی نے انہیں 82 برس کی عمر میں ایک بیٹے سے نوازا اور جب وہ بیٹا اتنا بڑا ہوگیا کہ ان کا سہارا بنتا تب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب دکھائی دیا کہ میں اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہا ہوں۔"

"اچھا۔۔ایسا خواب دیکھا انہوں نے؟" دادی کی بات سن کر گڈو کو جھرجھری آگئی۔

"ہاں بالکل! پھر جانتے ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کا تذکرہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کیا۔وہ سمجھ گئے کہ یہ خواب درحقیقت حکمِ الٰہی کی ہی ایک شکل ہے۔فوراً اپنے ابا سے فرمایا "ابا جان! جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے کرگذریئے، انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

"ذرا سوچو کہ یہ امتحان کس قدر سخت تھا نا صرف باپ کے لیے کہ ارمانوں سے مانگے ہوئے اُس بیٹے کو قربان کرنے کا حکم اُس وقت دیا گیا جب یہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تھا،اور پرورش کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد اب وقت آیا تھا کہ وہ قوتِ بازو بن کر باپ کا سہارا بنے بلکہ بیٹے کے لیے بھی کہ وہ خود کو قربانی کے لیے پیش کردے۔باپ نے چھری تھامی تھی اور بیٹا گردن جھکائے ہوئے تھا۔"ذرا تصور کرو کتنا مشکل وقت ہوگا لیکن اللہ کی خاطر سب کچھ آسان تھا دونوں کے لیے۔۔۔"

"دادی کیا پھر انہوں نے اپنے بیٹے کو ذبح کردیا؟" گڈو نے کا منہ حیرت اور بے یقینی سے کھلا رہ گیا۔

"نہیں نہیں۔۔۔آگے سنو! پھر ہوا یہ کہ جیسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بل لٹایا اور چھری پھیری اللہ پاک نے حضرت اسمٰعیل کی جگہ ایک مینڈھا بھیج دیا۔"

"شکر۔۔۔اللہ تعالی نے مینڈھا بھیج دیا۔" دادی کی بات سن کر گڈو کی جان میں جان آئی۔

"بچے یہ اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس میں کامیاب ہوئے۔ اللہ کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ رہتی دنیا تک کے لیے مسلمانوں کو قربانی کا حکم دیا گیا۔جسے پوری امت مسلمہ ہر سال مناتی ہے،اب سمجھے کہ ہم قربانی کیوں کرتے ہیں۔"

"جی دادی امی اب تو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔"

"کیا سمجھے ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہی کہ قربانی اللہ کا حکم ہے اور یہ سب کو دکھانے کے لیے بلکہ اللہ کو خوش کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔" گڈو سنجیدگی سے بولا۔

"شاباش میرے بچے بالکل ٹھیک سمجھے۔ اِس قربانی میں درحقیقت مسلمانوں کے اِس عقیدے کا اعلان ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ رب العزت کے حکم کے آگے اپنی عزیز سے عزیز ترین چیز کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ "اس کا جواب سن کر دادی نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولیں۔

☆......☆......☆

دوسری صبح اٹھ کر ناشتے سے فارغ ہوتے ہی گڈو میاں بکرے سے ملاقات کے لیے صحن میں جا پہنچے۔ بکرے کو خوب تھپکیاں دیں کمر سہلائی۔ تانیہ یہ منظر دیکھ کر خوش بھی تھی اور حیران بھی کہ جب سے بکرا آیا تھا گڈو نے تو لفٹ کا بورڈ منہ پر سجا رکھا تھا مگر اب وہ بکرے پر ایک دم اتنے فدا ہوئے کہ اس کو کھلا پلا کر پھر نہلا دھلا کر اب ٹہلانے کو باہر لے جا رہا تھا کیونکہ گڈو یہ بات خوب جان چکا تھا کہ قربانی کوئی مقابلہ نہیں بلکہ یہ تو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

حسان عبداللہ

خیرخواہی

وہ اپنا جانور بیچنے کی آواز لگا رہا تھا کہ آپؓ نے آواز دے کر اسے بلا لیا۔ جانور کو اچھی طرح دیکھا اور پھر بیچنے والے سے کہا: "کتنے کا بیچنا ہے؟" اس نے کہا: "کہ پانچ سو درہم کا بیچوں گا۔"

آپ نے فرمایا: "نہیں! چھ سو درہم کا بیچو گے، تب میں خریدوں گا۔"

اس نے کہا: "آپ چھ سو درہم دے دیں۔" فرمایا: "نہیں! سات سو کا بیچو گے تو خریدلوں گا۔"

اس نے کہا: "جی آپ سات سو دے دیں۔"

تب مزید جانور کو پرکھا اور فرمایا: "اگر آٹھ سو درہم کا بیچو گے تو میں خریدوں گا، ورنہ نہیں۔" آدمی نے حیران ہو کر کہا: "آپ آٹھ سو کا ہی خرید لیں۔"

چنانچہ معاملہ آٹھ سو درہموں پر طے ہو گیا۔ رقم دے کر جانور اس سے لے لیا۔ رستے میں خادم نے کہا: "حضور! جب جانور سستا مل رہا تھا اور دینے والا اس پر راضی بھی تھا تو آپ نے پانچ سو درہم میں بکنے والا جانور آٹھ سو درہم میں کیوں خریدا؟"

فرمایا: میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی تھی "النصح لکلِ مسلمٍ" کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کروں گا۔ بس اسی بات کا لحاظ کرتے ہوئے میں نے جانور اس کی حقیقی قیمت پر خریدا ہے۔

یہ تھے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ جو تاجدارِ رسالت کے سچے تابعدار اور صحابہ کرامؓ کی قُدوسی جماعت کے ایک ممتاز فرد تھے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمیں اپنے معاملات میں ایسی مقدس شخصیات کو آئیڈیل بنانا چاہیے کہ جن کے دامن سے وابستہ رہ کر ہم خیر ہی خیر حاصل کر سکتے ہیں۔

محمد دانیال حسن



شانِ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

آج اتوار ہے۔اور سب بچے نانی اماں کے پاس مقررہ وقت پر جمع ہو چکے ہیں۔حج بیت اللہ گزر چکا ہے تو نانی اماں نے پہلے بچوں کو فلسفہ حج کی اہمیت و فضیلت بتائی، جس کے بعد نانی اماں نے پوچھا۔ ہاں بھئی بچو۔ امید ہے تمہیں پچھلی نشت کا اختتام تو یاد ہی ہوگا۔ ہم امہات المومنین کے شاندار سلسلے کو پڑھ رہے ہیں اور اب ہم نبی کرم ﷺ کی سب سے آخری زوج حضرت ام المومنین حضرت میمونہؓ کے بارے میں جانیں گے۔سب بچوں نے پر جوش ہو کر جواب دیا جی ہاں ہم تیار ہیں۔

تو نانی اماں نے بولنا شروع کیا۔ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں آخری نمبر ہے۔آپ رضی اللہ عنہا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شادی نہیں کی۔آپ رضی اللہ عنہا نہایت متقی، پرہیز گار اور صلہ رحمی کرنے والی خاتون تھیں۔آپ رضی اللہ عنہا اعلان نبوت سے سترہ (17) سال قبل مدینہ منورہ میں پیدا ہوئیں۔

نائلہ اب تم ہمیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے نام و نسب کے بارے میں بتاؤ؟

نائلہ نے جواب دیا۔آپ رضی اللہ عنہا کا اصل

نام برہ تھا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر میمونہ رکھا۔ میمونہ یمن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں برکت۔ اسی طرح سے میمون اور میمونہ کے معنی ہوئے مبارک۔

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا والد کی طرف سے جناب منز پر مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جا ملتی ہیں۔ آپ ؓ کو الہلالیہ بھی کہتے ہیں۔ آپ کا تعلق قبیلہ جہیر سے تھا۔ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام حارث تھا جو کہ قبیلہ قیس بن عیلان سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ ؓ کا نسب نامہ یوں ہے! میمونہ بنت حارث بن بجیر۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند بنت عوف اپنے دامادوں کی وجہ سے پوری روئے زمین میں ممتاز تھیں۔

عائشہ یہ بتاؤ، کیا حضور ﷺ سے پہلے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے کوئی نکاح کیا؟

اب باری عائشہ کی تھی۔ وہ بولی۔ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پہلے عقدوں میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک آپ کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا لیکن باہمی نا اتفاقی کی وجہ سے جلد ہی طلاق ہوگئی۔ پھر ان کا نکاح ابورہم بن عبد العزٰی سے ہوگیا۔ بعض نے پہلا نکاح عمیر بن عمرو ثقفی سے لکھا ہے اور دوسرا ابوزبیر بن عبد العزٰی ہے۔ بعض نے پہلا نکاح خویطلب بن عبد العزٰی سے اور دوسرا ابورہم بن عبد العزٰی سے لکھا ہے۔ لیکن اس بات میں اکثریت متفق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے قبل آپ رضی اللہ عنہا ابورہم بن عبد العزٰی بن ابی قیس بن عبدود بن نضر بن مالک کے نکاح میں تھیں۔ ابورہم کا سات ہجری میں انتقال ہوگیا اور حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر بیس سال تھی۔

شاباش عائشہ، حسان تم ہمیں اب اس سے آگے بتاؤ گے کہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں کب داخل ہوئیں؟

اب حسان نے بولنا شروع کیا۔ ذیقعدہ 7 ہجری میں نبی کریم علیہ السلام عمرۃ القضاء کی نیت سے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو مکہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام سرف میں قیام کیا۔ حضرت سیدہ میمونہ ؓ وہیں پر مقیم تھیں۔

سیدہ ؓ کے چچازاد اور بہنوئی حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ جو کہ سیدہ ؓ کے بیوہ ہو جانے پر بڑے متفکر تھے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا!

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میمونہ بیوہ اور بے سہارا ہو چکی ہے اس لئے اس کے سہارا کے لئے اس سے عقد فرما لیں۔ نبی کریم علیہ السلام

نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دل جوئی کیلئے اسے قبول فرمایا۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو پیغام نکاح دے کر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا جسے انہوں نے اسی وقت قبول کر لیا۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام لے کر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو وہ اونٹ پر سواری تھیں۔ انہوں نے جواب دیا۔

اونٹ اور جو کچھ اونٹ پر ہے وہ سب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کر دیا تھا۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

اور وہ مومن عورت جو اپنی جان نبی کو نذر کر دے، اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو انہیں اجازت ہے۔ سورۃ احزاب، آیت نمبر 50

حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل نامزد کیا جنہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ کر دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر پانچ سو درہم مقرر فرمایا۔ خطبہ نکاح حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پڑھا۔ نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ رخصتی عمرہ کی ادائیگی کے بعد ہو۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ ادا کرنے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ عمرہ کے بعد سیدہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مدینہ منورہ چلی گئیں۔

شاباش بیٹا، تحریم حضرت میمونہؓ کے فضائل کے بارے میں بتاؤ؟

تحریم گویا ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا، سیدہ سلمی رضی اللہ عنہا اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو مومن بہنیں فرمایا ہے۔ علم و حدیث وفقہ میں آپکا مقام بہت بلند ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا سے 76 احادیث مروی ہیں جس سے آپ رضی اللہ عنہا کے علمی مقام کا پتہ چلتا ہے۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی کو آزاد کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور بڑے اجر و ثواب کی نوید سنائی۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بہت سخی اور فیاض تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی فیاضی کی وجہ سے اکثر قرض لینے کی نوبت بھی آجاتی مگر سائل کو در سے خالی نہ جانے دیتیں۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو مسواک سے خاص شغف تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا مسواک کا خاصا اہتمام کرتی تھیں۔

امرونواہی اور دین کے معاملے میں آپ رضی اللہ عنہا بہت سخت تھیں۔جب بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی دیکھتیں تو سخت سرزنش فرماتیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا!''میمونہ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلح رحمی کرنے والی ہیں، خاندانی شرافت کے لحاظ سے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا ایک ممتاز مقام ہے''۔

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے آخری زوجہ محترمہ تھیں۔آپ رضی اللہ عنہا کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کوئی نکاح نہیں فرمایا۔

شاباش، عفان تم ہمیں حضرت میمونہؓ کی مزید خصوصیات کے بارے میں بتاؤ؟

عفان نے بولنا شروع کیا۔دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرح سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی محبت تھی۔اگر آپ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان دیکھتیں تو خود پریشان اور غم زدہ ہو جاتیں۔

عمر تم ہمیں حضرت سیدہ میمونہؓ کے علم و فضل کے بارے میں بتاؤ؟

عمر نے جواب دینا شروع کیا۔دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرح ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بھی بہت فیاض تھیں۔آپ رضی اللہ عنہا کی فیاضی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپؓ کے در پر آیا ہوا سائل کبھی بھی خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا، چاہے اس کا سوال پورا کرنے کیلئے قرض ہی کیوں نہ لینا پڑے۔اس لئے آپ رضی اللہ عنہا اکثر قرض لیا کرتی تھیں جو کہ جلد ہی واپس کر دیتیں۔

ایک مرتبہ کچھ زیادہ ہی رقم قرض لے لیا تو کسی نے پوچھا! آپ اس کو کس طرح ادا کریں گی؟

تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بندہ قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کرنے کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے۔

عبدالمجید یہ بتاؤ، حضرت میمونہؓ کا انتقال کب ہوا؟

عبدالمجید نے جواب دیا۔ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں مقیم تھیں کہ بیمار ہو گئیں۔جب بیماری کچھ زیادہ ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا! مجھے مکہ سے لے چلو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ تجھے مکہ میں موت نہیں آئے گی۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا کو مکہ سے باہر مقام سرف پر لایا گیا جہاں پر آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح

ہوا تھا۔آپ رضی اللہ عنہانے 51 ہجری کو اس جگہ انتقال فرمایا جس جگہ رخصتی کے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ لگایا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی۔جب تدفین کے لئے جنازہ کو اٹھایا گیا تو لوگ ذرا تیزی سے چلنے لگے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہمانے فرمایا! جنازے کو جھٹکے کے ساتھ مت اٹھاؤ، آہستہ آہستہ چلو اور ادب واحترام کا خیال رکھو کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو مقام سرف کی اسی جگہ پر دفن کیا گیا جس جگہ آپ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔

آپ رضی اللہ عنہا کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہا عبدالرحمن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اورعبداللہ خولانی رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔وفات کے وقت آپؓ کی عمر 81 سال تھی۔جس طرح ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہاسب سے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں،اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج میں سب سے آخر میں آپ رضی اللہ عنہا کاوصال ہوا۔

شاباش بچو، آپ سب نے جس طرح دلچسپی کے ساتھ یہ شاندار سلسلہ مکمل کیا،وہ اپنی مثال آپ ہے۔ہم زندگی بھر صحابہ کا یہ مشک بار تذکرہ جاری رکھیں گے،سب بچوں نے باآواز بلند کہا،ان شاءاللہ۔

شاباش بچو،اب سے ہم مختلف صحابہ کرامؓ کے بارے میں پڑھا کریں گے۔آپ صحابہ والی کتاب میں سے کسی ایک کے بارے میں پڑھ لیجیے گا، اگلی نشست میں اس صحابیؓ کو پھر پڑھیں گے ان شاءاللہ۔

عشا کی اذان ہونے لگی تھی۔اذان کے بعد سب نماز کی تیاری کرنے لگے اور یوں یہ محفل برخواست ہوگئی۔

☆......☆......☆

کوپن برائے "وہ کون تھا؟"

نام:..

ولدیت:..

مکمل ایڈریس:..

تعلیم:..

جواب:..

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

پہلی اڑان

توقیر بھملہ

عصر کے بعد بیٹیوں کو ساتھ لیکر باغیچے میں جانے کا سوچا، جیسے ہی عقبی دروازہ کھولا تو دیکھا نیم کا درخت چڑیوں کے شور سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، بے شمار چڑیاں باغیچے کے اندر ایک درخت سے دوسرے درخت پر لپکتی تھیں تو کچھ زمین پر بیٹھ کر پر پھیلائے شور مچاتی تھیں۔

سوچا ایسا آج ان کے ساتھ کیا ہے جوان چڑی ذاتوں نے آسمان سر پر اٹھالیا ہے، کبھی کبھی بلی یا سانپ کو دیکھ کر بھی پرندے شور مچاتے ہیں، لیکن یہاں سانپ کے آنے کا تو سوال نہیں تھا اور بلیاں بڑی فرینڈلی سی ہیں ان سے چڑیاں ڈرتی بھی نہیں تو پھر کیا ہوسکتا ہے، سوچتے ہوئے نیم کے دراز قامت شجر کے نیچے کھڑا ہو کر اوپر دیکھنے لگا، گھنے سرسبز پتوں سے سورج کی روشنی بمشکل چھن کر آ رہی تھی، اچانک چڑیوں کا شور بلند ہوا اور ایک ننھی چڑیا درخت کے اوپر سے ادھ کھلے پروں کے ساتھ دائروں میں گھومتی ہوئی یوں نیچے آ رہی تھی جیسے کسی ماہر نشانہ باز نے ہوائی جہاز کو مار گرایا ہو دیکھتے ہی دیکھتے ننھی جان زمین کے بالکل قریب تھی اور مجھے یوں لگا جیسے کسی بے رحم نے اسے مرنے کے لیے اوپر سے گرا دیا ہے کیونکہ نہ تو اس کے پر کُھل رہے تھے اور نہ وہ بچنے کی کوشش کر رہی تھی یا پھر شاید اسے اپنے وجود میں حیات کی رمق کا اندازہ نہیں تھا، طاقتِ پرواز سے بے خبر تھی یا پھر پروں کے استعمال سے ناواقف تھی۔ قریب تھا کہ وہ زمین سے ٹکراتی اور مٹی کا رزق ہو جاتی اس نے اچانک پروں کو پورا کھولا اور لہراتے ہوئے ماہر ہوا باز کی طرح زمین پر چھوٹے چھوٹے پنجے رکھ دیے، اور فاتحانہ سر اٹھا کر اوپر دیکھنے لگی، جب وہ زمین کی طرف بے جان سی گر رہی تھی تو یوں جیسے کائنات کا



پہیہ جام کر دیا گیا ہو، میرا اپنا دل مٹھی میں تھا، گہرا سکوت، چڑیوں کو چہچہانا بھول گیا تھا، پھر جیسے ہی زمین پر گری جان نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا تو چڑیوں کا شور اور جوش پہلے سے بڑھ کر تھا۔

میں نے حیرانی سے آگے بڑھ کر اس ننھی جان کو اٹھا کر دیکھا کہ کہیں زخمی تو نہیں، تو وہ ہر لحاظ سے پرفیکٹ تھی، گرم بدن اور ننھے دل کی بے انتہا تیز بے ترتیب دھڑکن میرے ہاتھ میں یوں پھیل اور سمٹ رہی تھی جیسے جھیل کے پرسکون پانی میں پتھر گرنے سے بننے والے دائرے ہوں، کئی سوال میرے ذہن میں ابھر رہے تھے کہ اس چڑیا کے تو وہی رشتہ دار ہوں گے، اس کے ماں باپ کے علاوہ باقی چڑیوں کے ڈار اس کے کیا لگتے ہوں گے، اور وہ کیوں اس کی پہلی اڑان کو کامیاب دیکھنے کے لیے بے چین تھے، اس کی پہلی اڑان سے پہلے ان کا چہچہانا کیا کوئی جشن تھا، اس کا گرنے کے دوران چہچہاہٹ کا تھمنا اور درخت کے اوپر سے بے چین جھانکتی بے شمار ننھی آنکھیں کیوں پریشان اور متجسس تھیں۔

آسمان سے زمین پر گرنے کے بعد جب شجر پر منتظر چڑیوں کو یقین ہوگیا کہ وہ زندہ ہے اور دھڑک دھڑک کر زمین کو اپنی کامیابی کی گونج سنا رہی تھی، تو لپک لپک پر کھولے خوشی سے اس کے ارد گرد چڑیوں نے گھیرا بنا لیا اور یوں جیسے اسے مبارک باد دے رہی ہوں اور بتا رہی ہوں کہ گھونسلے سے گر کر پہلی اڑان کے بعد تمھارے ننھے وجود اور پروں کو تقویت ملی ہے، تم نے ہوا کو تسخیر کرنا سیکھ لیا ہے، تمھیں اپنے پروں اور پھر ان پروں کی طاقت پرواز کا احساس ہوا ہے، زندہ رہنا ہے تو ہر دم پروں کو کھولے محو پرواز رکھنا ہے وگرنہ بلندیوں اور پستیوں میں موت کے سوا کوئی چارہ ساز نہیں، جو پر کھولے کوشش کرتا ہے کائنات مل کر اسے کامیاب کرنے کے درپے ہوتی ہے، بے شمار مخلوق اس سے کئی گنا بڑے پروں کے باوجود اڑنے کے فن سے نا آشنا ہے، اڑنے کی بجائے کسی اور کی طرف حسرت سے تکتی ہے اور چند دانوں اور چونچ بھر پانی کی خاطر اپنے پر گروی رکھ دیتی ہے۔۔ وہ جسے صبح اسکی ماں نے اپنے مقدر کے رزق میں سے الگ کر کے چونچ میں چوگ کھلائی تھی اس ماں کا کلیجہ کیسے مان گیا کہ اسی دوپہر اسے گھونسلے سے گرا کر اڑنا سکھا دیا۔ ممتا نے آشیانے میں چوگ کھانے کی بجائے لڑ کر جینے کو ترجیح دی۔

چڑیاں آسمان کے نیچے شاید وہ واحد مخلوق ہیں جن کا ہر کوئی دشمن ہے، ہر کوئی ان کی تاک میں رہتا ہے، پورے زمانے کے دشمنی میں ایک نئے جنمے وجود سے وہ پیغام دے رہی تھی کہ ہم اپنی نسل کشی کے باوجود مایوس نہیں ہیں ہم نے پروں کی بجائے حوصلے سے اڑنا سیکھا ہے، ہم اپنی جنس کی اڑان سے حسد نہیں رکھتیں، بلکہ آگے بڑھ کر اسے کائنات تسخیر کرنا سکھاتی ہیں۔



سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

44

عبدالحفیظ امیرپوری

جشن فتح کے ہنگامے ختم ہوتے ہی ٹیپو سلطان اور شجاعت خان نے نواب حیدر علی کی خفیہ عدالت میں امیر نجیب الدولہ کا مقدمہ پیش کر دیا۔

"خدا کی پناہ" نواب حیدر علی نے امیر نجیب الدولہ کا وہ خط سننے کے بعد کہا جو اس منافق نے والی ارکاٹ والا جاہ محمد علی کے نام تحریر کیا تھا اور جسے شجاعت خان نے بروقت اقدام کر کے حاصل کیا تھا۔میری سلطنت میں ایسے غدار بھی موجود ہیں۔

"شجاعت خان! تجھے خدا خوش رکھے کہ تو نے میری آنکھیں کھول دیں۔" نواب حیدر علی پہلے ہی مجسم قہر بنا ہوا تھا۔ پھر جب شجاعت خان نے یتیم خانے کی بچیوں کے حوالے سے امیر نجیب الدولہ کے ہوس پرستانہ عمل کا ذکر کیا تو آتش غضب سے والی میسور کے دل و دماغ بھی جل اُٹھے۔

"بابا محترم!" ٹیپو سلطان نے عرض کیا۔

"آپ کے قانون میں ایسے شخص کی سزا کیا ہے؟"

"ایک غدار کی سزا موت کے سوا کیا ہو سکتی ہے فرزند؟" نواب حیدر علی کی زبان میں ایسی نشتریت تھی، جیسے اس نے اپنے خلوت کدے میں بیٹھے بیٹھے امیر نجیب الدولہ کی شہ رگ پر تلوار چلا دی ہو۔

"تو پھر میں اپنے ہاتھ سے نجیب الدولہ کو قتل کروں گا بابا محترم!"

ٹیپو سلطان بہت زیادہ جزباتی نظر آ رہا تھا۔ نواب حیدر علی نے چونک کر بیٹے کی طرف دیکھا۔

"مجرموں کو قتل کرنا جلادوں کا کام ہے۔"

والیِ میسور کی نظریں ٹیپو سلطان کے چہرے پر مرکوز تھیں اور وہ ولی عہد سلطنت کی دلی کیفیات کا جائزہ لے رہا تھا۔

''تم ایک سپاہی ہو اور تمہاری شمشیر کا ہدف ان دشمنوں کا سر ہوتا ہے جو تم سے میدان جنگ میں برسر پیکار ہوتے ہیں۔ ویسے نجیب الدولہ کا قتل تمہارے شایانِ شان بھی نہیں۔'' نواب حیدر علی واقعے کی بنیاد تک پہنچ گیا تھا۔ اسی لئے ٹیپو کو بڑے منطقی انداز سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''نواب بہادر! اس نے یتیم بچیوں کو بڑے آزار پہنچائے ہیں۔'' ٹیپو کی شدت جذبات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

''میں نے وعدہ کیا ہے کہ میں نجیب الدولہ کو اپنی تلوار سے قتل کردوں گا۔''

''تمہارا وعدہ وفا ہو جائے گا فرزند!'' نواب حیدر علی ولی عہد سلطنت کے جذبات کو سمجھ رہا تھا۔ اس لئے اُس نے ناصحانہ انداز اختیار کیا تھا۔

''وہ تمہاری فولادی تلوار سے نہیں بلکہ تمہارے علم کی تلوار سے قتل ہوگا۔'' ٹیپو باپ کا مفہوم سمجھ چکا تھا، اس لئے خاموش ہو گیا۔ مگر اس کے چہرے سے افسردگی نمایاں تھی۔

نواب حیدر علی نے بیٹے کے ذہن کو صاف کرنے کے لئے نئے انداز سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اگر تم اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرو گے تو اہلِ سرنگا پٹم کیا سوچیں گے؟ ایک عام آدمی بھی یہی سوچے گا کہ حیدر علی کی کوئی ذاتی دشمنی ہوگی اس لئے بیٹے کے ہاتھ سے قتل کروا کر جذبہ انتقام کی تسکین چاہتا ہے۔''

ٹیپو سلطان کو صورت حال کی نزاکتوں کا ادراک ہو گیا تھا۔ تاہم اس نے باپ سے آخری درخواست کرتے ہوئے کہا۔

''مگر میں اتنا ضرور چاہتا ہوں بابا محترم! کہ آئندہ یتیم خانہ کی بچیوں کو اس قسم کی کوئی اذیت نہ پہنچے۔ یہاں کے شر پسند لوگوں نے ان کو ایک تماشا بنا ڈالا ہے۔''

''میں کیا کروں فرزند؟'' نواب حیدر علی نے انتہائی تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

''مجھے خود بھی ان کی طرف سے اُلجھن رہتی ہے۔''

☆......☆......☆

پھر نواب حیدر علی نے امیر نجیب الدولہ کو سر عدالت طلب کر لیا۔

شجاعت خان نے کھڑے ہو کر اُس کی فرد جرم سنائی۔ نجیب الدولہ بہت چیخا کہ اس کے خلاف سازش کی جا رہی ہے۔ ورنہ وہ نواب حیدر علی کا دل و جان سے وفادار ہے۔ جب والئی میسور نے اس سے یہ سوال کیا کہ نواب ارکاٹ کے نام مذکورہ خط کس نے تحریر کیا ہے تو وہ صاف مکر گیا۔

''یہ خط خود شجاعت خان نے تحریر کیا ہے تاکہ وہ مجھے حضور کی نظروں سے گرا کر اپنے مقصد میں

کامیاب ہو جائے۔'' نجیب الدولہ مسلسل جھوٹ بول رہا تھا۔والئی میسور نے غضب ناک لہجے میں پوچھا۔

''تیری تحریر کو میر منشی خوب پہچانتا ہے۔مگر میں آج تک اس کا اندازہ نہیں کر سکا کہ توں اتنا جھوٹا ہے۔''

پھر گواہ کے طور پر اس تلک دھاری برہمن کو پیش کیا گیا جو خفیہ طور پر والا جاہ محمد علی کا خط لے کر سرنگا پٹم آیا تھا۔اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ: امیر نجیب الدولہ، نواب ارکاٹ اور نظام دکن کا جاسوس ہے۔

جب نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا تو وہ ہذیانی انداز میں چیخ اُٹھا۔

''یہ کیسا ظلم ہے کہ جو شخص اپنے مالی وسائل سے ریاست میسور کی مدد کر رہا ہے، آج اس کو مجرم ثابت کیا جا رہا ہے۔'' امیر نجیب الدولہ نے دوسرے امرائے دربار کی طرف انصاف طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جس نے والی میسور کے ایک اشارے پر اپنی دولت، پانی کی طرح بہادی، وہ نواب ارکاٹ یا نظام دکن کی مخبری کیا کرے گا؟''

امیر نجیب الدولہ کی حالت پانی میں ڈوبے ہوئے انسان جیسی تھی جو غرقاب ہونے سے پہلے اندھوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا ہے او چلاتا ہے کہ اچانک کوئی سہارا اس کے ہاتھ آجائے گا اور وہ بے رحم پانی کی خوراک بننے سے محفوظ رہے۔

اس نے نواب حیدر علی کو رقم دینے کی بات بھی یہی سوچ کر کہی تھی کہ شاید امرائے دربار کو اس کی خدمات کا احساس ہو جائے اور پھر وہ والی میسور سے اس کی جاں بخشی کے لئے سفارش کر سکیں۔ مگر نجیب الدولہ کا یہ حربہ بھی بے اثر ثابت ہوا۔ نواب حیدر علی نے بڑی خاموشی سے نجیب الدولہ کی پارسائی کا دعوی سنا اور پھر منشی کو طلب کر کے کہا۔

''ہمیں یاد ہے کہ ہم نے ضرورت کے اوقات میں نجیب الدولہ سے کچھ رقم بطور قرض لی تھی۔اس کا شمار اسی وقت کرو!''،منشی نے حساب کر کے بتایا کہ نجیب الدولہ کی پچاس ہزار کی رقم ریاست کی طرف واجب الادا ہے۔

''وہ ساری رقم سرکاری خزانے سے نکال کر نجیب الدولہ کو ادا کر دی جائے۔''

نواب نے دوسرا حکم دیا۔تھوڑی دیر بعد ہی پچاس ہزار کے نقرائی سکے سر دربار نجیب الدولہ کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے گئے۔

''اب تو ہماری طرف تیرا کوئی قرض باقی نہیں ہے؟''نواب حیدر علی نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

''نواب بہادر! میرا یہ مقصد ہر گز نہیں تھا کہ میں احسان جتاؤں'' نجیب الدولہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

''اب ہمیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی۔ یکا یک حیدر علی کے لہجے میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ہم

نے آڑے وقت میں تیرے اس مالی تعاون کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ اور ہم نے بھی ریاست کی طرف سے تجھے کئی تجارتی مراعات دی تھیں اور ہم نے تیرے کردار سے کئی لغزشوں سے چشم پوشی کی تھی۔ خیر! یہ ماضی کا قصہ تھا۔ مگر آج ہم نے تیرا جو حال دیکھا ہے، خدا وہ کسی کو نہ دکھائے۔ اب کون کس پر اعتبار کرے گا، نجیب الدولہ؟''

یہ کہہ کر نواب حیدر علی نے اپنے غدار امیر کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔

''اگر ہمیں انسانی قدروں کا پاس نہ ہوتا تو تیری لاش کو بھی تیرے آقا کے پاس بھیج دیتے۔''

اس کے بعد حیدر علی، نواب ارکاٹ کے اس جاسوس سے مخاطب ہوا جو ایک ہندو برہمن کا روپ دھار کر سرنگا پٹم میں داخل ہوا تھا۔

''محمد علی سے کہہ دینا کہ خراج کی طے شدہ رقم وقت پر ادا کر دیا کرے۔''

والی میسور نے ایک ہی جملے میں نواب ارکاٹ کی حقیقت بیان کر دی تھی۔

☆......☆......☆

امیر نجیب الدولہ کے قتل نے پورے سرنگا پٹم میں دہشت پھیلا دی تھی۔ میسور کی تینوں رانیاں اور کرشن راؤ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''نواب نے ہمارے ایک با اثر مہرے کو کتنی آسانی سے پٹ دیا؟''

آخر بہت دیر بعد رانی لکشم ما بولی۔ خوف کی شدت سے اُس کی آواز لرز رہی تھی۔

''یہ مہرے کی غلطی تھی مہارانی!'' کرشن راؤ نے بڑے عیارانہ انداز میں رائے زنی کرتے ہوئے کہا۔

''اگر نجیب الدولہ یتیم خانے کی بچیوں کی عزت پر حملہ نہ کرتا تو یہ بازی بھی مات نہ ہوتی۔ آخر اُسے کس چیز کی کمی تھی؟''

''یہ مرنے والا جانے۔'' رانی دیوا جی منی نے کہا۔

''ہمیں آگے کی سوچنا چاہئے۔ بھگوان کا شکر ادا کرو کہ نجیب الدولہ کی زبان پر ہمارا نام نہیں آیا۔ مگر یاد رکھو کہ یہ مہلت بہت عارضی ہے۔ آئندہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

''کیا ہوگا؟''

رانی کانتا جو بہت دیر سے خاموش بیٹھی تھی، حسرت زدہ لہجے میں بولی۔

''ہم اس کے لئے جس قدر بد دعائیں کرتے ہیں، وہ اتنا ہی سر بلند ہوتا جاتا ہے۔ اکیلا مدراس چلا گیا تھا۔ دنیا کہتی تھی کہ حیدر علی زندہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ مگر وہ واپس آگیا اور اس شان سے کہ اس نے فرنگیوں کو بھی اپنے قدموں پر جھکا دیا۔''

''کانتا! تو بہت مایوسی کی باتیں کرنے لگی ہے۔'' رانی لکشم ما نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

''پھر کیا کروں؟''

رانی کانتا کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

تینوں رانیاں انگریزوں کے مقابلہ میں حیدرعلی کی نئی فتوحات کی خبریں سن کر بدحواس نظر آرہی تھیں۔

''کرشن راؤ! نجیب الدولہ تو مر چکا۔کیا اب بھی تیرے ترکش میں کوئی تیر باقی ہے؟''

تینوں رانیوں نے اس شخص سے پوچھا جو ایک طرف حیدرعلی کا داروغہ محلات تھا اور دوسری طرف ہندو ریاست کے قیام کے لئے زیر زمین سازشیں کر رہا تھا۔

''ایک نہیں، ہزاروں تیر ہیں مہارانی!''

کرشن راؤ بہت زیادہ پر عتماد نظر آرہا تھا۔

''میرا ترکش کبھی بھی خالی نہیں رہتا۔''

''پھر اتنی تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟'' رانی دیوا جی منی نے تلخ لہجے میں کہا۔

''میں شراب وشباب کے تمام حربے آزما چکا، مگر حیدرعلی اور اس کے ساتھی کیف ونشاط کے دشمن ہیں۔کوئی سیم ترنم رقاصہ اور کوئی شراب کی چھلکتی ہوئی صراحی انہیں قتل نہیں کر سکے گی۔'' کرشن راؤ نے اپنی ناکامی کا اعتراف کرلیا تھا۔

''اور تو اور، وہ نوعمر لڑکا ٹیپو بھی ان خرافات سے کوسوں دور ہے۔توبہ شکن حسن رکھنے والی لڑکیاں بھی اسے متاثر نہ کرسکی۔بھگوان ہی جانیں کہ یہ دونوں باپ بیٹے کون ہیں اور کس مٹی سے بنے ہوئے ہیں؟''

''تیری زبان سے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں کرشن راؤ!'' رانی لکشم مانے ناگوار لہجے میں کہا۔

''پھر وہ ہندو ریاست کس طرح قائم ہوگی، جس کے خواب دیکھتے دیکھتے ہماری آنکھیں پتھرانے لگی ہیں؟''

''وہ خواب ضرور اپنی تعبیر پائے گا مہارانی!''

کرشن راؤ کے چہرے پر تعصب کا گہرا رنگ نمایاں ہوگیا تھا۔

''برہما کی قسم! میں دیوتاؤں کی اس دھرتی کو مسلمان حکمرانوں کے وجود سے خالی کر کے چھوڑوں گا۔''

''مگر کیسے؟'' رانی دیوا جی منی جھنجلا کر بولی۔

''میں اپنے اعتبار کے آدمی ریاست کے اہم عہدوں تک پہنچاؤں گا۔''

کرشن راؤ نے اپنے منصوبے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''پھر وہی عہدیدار نواب کو گمراہ کریں گے اور پھر موقع ملتے ہی ریاست کے غدار بن کر دشمنوں سے جاملیں گے۔''

''اگر تیرا یہ منصوبہ اس قدر دیر طلب ہے کہ انتظار کرتے کرتے ہم تو شمشان میں جا سوئیں گے۔'' رانی لکشم ما کا لہجہ بہت اُداس تھا۔وہ سر سے پاؤں تک مایوسی کی ایک شکستہ تصویر بنی نظر آ رہی تھی۔

☆......☆......☆

عہدِ نو

عبدالمجید شاکر

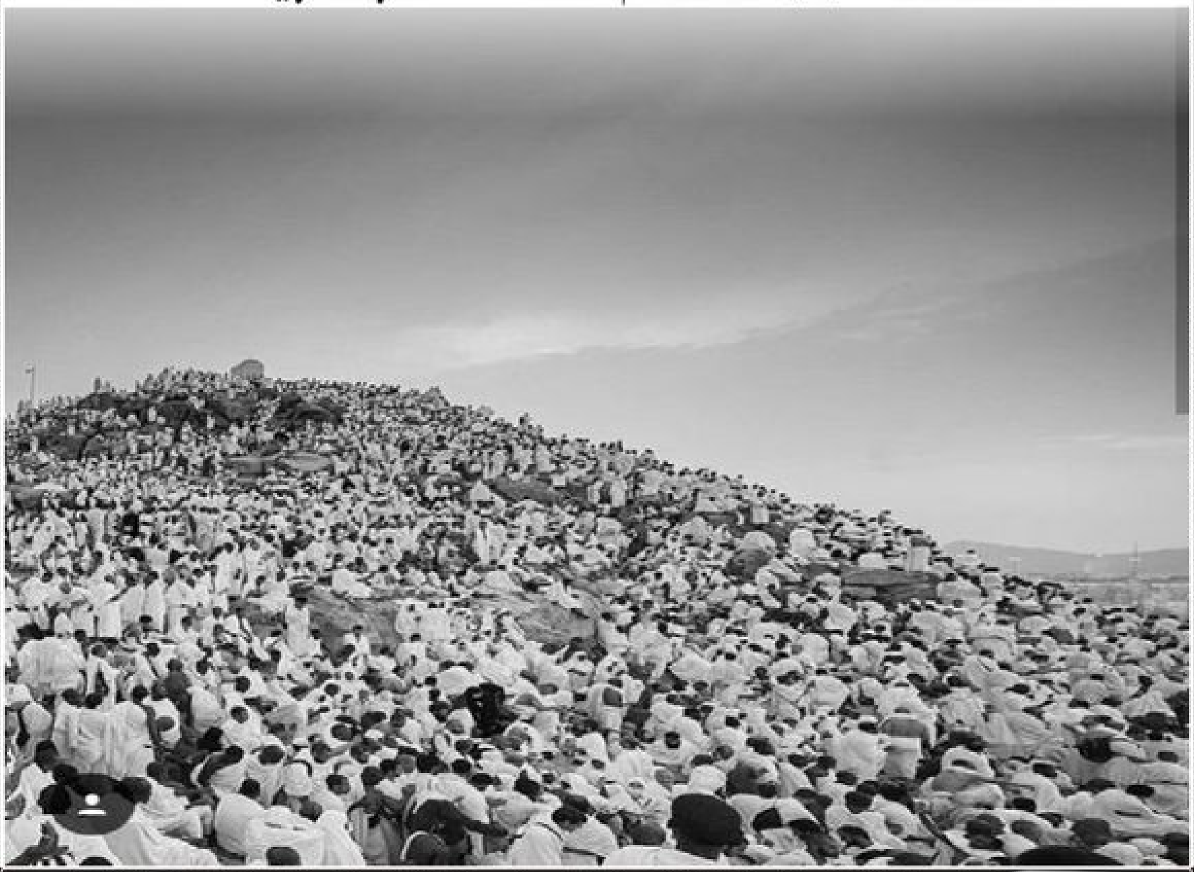
احمد اور اکبر دونوں گہرے دوست ہیں، اتنے گہرے کہ جہاں پر ایک جاتا تو دوسرا بھی ساتھ جاتا ہے۔ دونوں کی صبح اور شام بھی اکٹھی ہوتی ہے۔

وہ روزانہ نت نئے منصوبے بناتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ایک کے ذہن میں کوئی خیال آتا ہے تو وہ دوسرے کو بھی بتاتا اور پھر دونوں مل کر عمل کرتے ہیں۔

آج احمد کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یار ہم پوری دنیا گھوم چکے ہیں، حج کا موقع ہے، کیوں نہ حج کر کے آئیں۔

ہاں بھائی! تمہارا خیال تو بہت اچھا ہے ،ہم آج سے ہی حج کا طریقہ سیکھنا شروع کر دیتے ہیں، اور حج کی درخواست بھی جمع کروا دیتے ہیں۔

باقی تیاریاں تو ہم مکمل کرلیں گے لیکن اس کے ساتھ ہمیں روزانہ پیدل چلنے کی عادت ڈالنی چاہیے کیونکہ حج میں بہت زیادہ پیدل چلنا پڑے گا۔ وہ دونوں چائے پینے کے دوران حج کے



بارے میں سوچ رہے تھے۔

ہم نئے احرام بنوالیتے ہیں۔اس کے علاوہ ایک ہلکا سا جوتا لے لیتے ہیں تاکہ چلنے میں مشکل نہ ہو۔میرے دوست یہ ساری باتیں تو ٹھیک ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں کوئی ایک ایسی کتاب بھی خریدنی چاہیے جس میں حج کے بارے میں معلومات مل سکیں اور حج کے فرائض اور ارکان بھی معلوم ہوسکیں تاکہ حج کے دوران کوئی مسئلہ نہ ہو اور یہ مقدس فریضہ اچھے طریقے سے ادا کر سکیں۔

جی ہاں تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے۔ہم کل ہی جا کر کتاب لے آتے ہیں۔

☆......☆......☆

اگلے دن وہ جا کر کتاب خرید لائے اور اسے پڑھنا شروع کر دیا کہ حج کب سے شروع ہوا کس وجہ سے فرض ہوا اور کیوں اسے اسلام کا ایک رکن قرار دیا گیا۔جیسے جیسے وہ پڑھتے گئے حیرت کے جہاں میں ڈوبتے گئے اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ حج کیوں فرض کیا گیا ہے۔

حج کا حکم اس لئے دیا گیا کہ باقی جتنی عبادات ہیں، ان میں کوئی بدنی عبادت ہے تو کوئی مالی عبادت ہے۔

لیکن حج ایک ایسی عبادت ہے جس میں مالی عبادت بھی شامل ہوتی ہے اور بدنی عبادت بھی شامل ہوتی ہے، علاوہ ازیں حج میں سفر کی صعوبت و مشقت بھی شامل ہوتی ہے، اسی لئے کہا گیا کہ جو شخص حج کو اس کے ارکان کی مکمل درستگی کے ساتھ ادا کرے گا، وہ گویا ایسے ہو جائے گا جیسا گناہوں سے پاک ہو گیا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان اس عظیم فریضہ کی ادائیگی کیلئے لاکھوں کی تعداد میں ہر سال مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں۔

وہ دونوں جیسے جیسے کتاب پڑھتے جا رہے تھے، دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔انہیں اپنے گردوپیش کا ہوش تک نہ تھا۔

کئی دن لگا کر انہوں نے مکہ مدینہ نامی اس ایمان افروز کتاب کو کئی بار پڑھا اور حج کے سفر کے ساتھ ساتھ حج کے ارکان اور فرائض بھی اچھی طرح سمجھ لئے۔

☆......☆......☆

اب انہیں حج کی قرعہ اندازی کا انتظار تھا۔آخر کار حج درخواستوں کی قرعہ اندازی ہوئی تو خوش قسمتی سے ان دونوں کا نام فہرست میں موجود تھا۔

اب وہ اس مقدس سفر کے لئے جہاز میں بیٹھ چکے تھے۔ملک کے مختلف علاقوں سے لوگ جو مختلف ذرائع سے یہاں پہنچے تھے، وہ بھی جہاز میں بیٹھے تھے۔

سب کے چہرے آنے والے لمحات اور اس مقدس سفر کی خوشی سے دمک رہے تھے۔

چار گھنٹے کے فضائی سفر کے بعد وہ میقات

کے مقام تک پہنچ چکے تھے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے غسل کیا اور احرام باندھ لیا۔

ان کا ہر عمل اب اس مقدس مقام کی خوشبو میں لپٹا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

دونوں کی پہلی نظر جب کعبہ پر پڑی تو ان کی چیخیں نکل گئیں اور انہیں ہوش نہ رہا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اللہ کی یاد اور اس مقدس مقام کی ہیبت ان کے حواس پر حاوی ہو چکی تھی۔

شاید یہ مقام ہی ایسا ہے کہ انسان ہوش و خرد سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور اسے ادھر اُدھر کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ ان دونوں کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد جب اپنے ہوش و حواس میں واپس آئے تو انہوں نے دوسروں کی دیکھا دیکھی تلبیہ کے الفاظ اللہ اکبر اللہ اکبر لبیک اللھم لبیک اللہ اکبر کے الفاظ دوہرانا جانا شروع کر دیئے۔

پوری دنیا کے ہر رنگ و نسل کے مسلمان یہاں پر موجود تھے، لیکن سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ایک ہی بادشاہ کی فوج ایک جگہ اکٹھی ہو چکی ہے۔

انہوں نے طواف کے سات چکر لگائے، حجر اسود کو بوسہ دیا اور باقی مراحل بھی جیسے تیسے دوسروں کو دیکھا دیکھی کرتے گئے، لیکن ہر عمل یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ دل کی گہرائیوں سے کر رہے ہیں۔

مقام ابراہیم پر جب پہنچے تو وہاں پر دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشقت یاد آ گئی اور آنسو ایک بار پھر ان کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

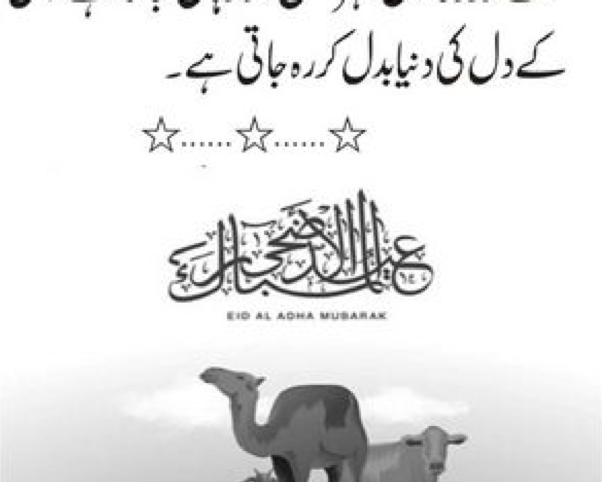
ہر مقام پر یوں محسوس ہوتا کہ یہاں سے پیارے نبی گزرے ہوں گے اور اپنی خوش نصیبی کا تصور کر کے اشک بے ساختہ بہہ نکلتے۔

صفا اور مروہ کے چڑھائی پر انہیں اسماعیل کی ننھی ماں چشم تصور میں دوڑتی نظر آئی تو ایک بار پھر پورا جسم کانپ اٹھا۔

بال کٹوانے سے لے کر منی تک کا سفر، منیٰ سے عرفات، عرفات سے مزدلفہ، ہر لمحے اللہ کا خوف دامن گیر رہا کہ اللہ ہماری حاضری قبول فرما لے۔ شیطان کو پتھر مارتے یہ خیال آیا کہ ہم نے اندر کے شیطان کو بھی مارا یا نہیں۔

گھر واپسی کے بعد دونوں نے عہد کیا کہ اب تک تو زندگی گناہوں میں بسر ہو گئی، بقیہ زندگی میں گناہوں سے بچیں گے اور یہ معاملہ صرف ان تک محدود نہیں، ہر شخص جو وہاں جاتا ہے، اس کے دل کی دنیا بدل کر رہ جاتی ہے۔

☆......☆......☆



خوش نصیب

زوالفقار علی بخاری

"بھئی کہاں جانا ہے؟"

بس کنڈیکٹر نے مجھ سے پوچھا۔

"بہاولپور جانا ہے۔"

میں نے جھٹ سے جواب دیا اور ساتھ ہی اپنی جیب سے ایک سو پچاس روپے نکال کر بس کنڈیکٹر کو دیئے۔

"یہ کیا، بھئی کرایہ دو سو روپے بنتا ہے۔"

بس کنڈیکٹر نے کم کرایہ ملتے دیکھ کر کہا۔

"ابھی کچھ دن پہلے تک تو کرایہ ایک سو پچاس روپے تھا؟"

میں نے ہنستے ہوئے جواباً کہا۔

تو بس کنڈیکٹر نے بھی مسکراتے ہوئے کہا:

"مہنگائی بڑھ رہی ہے تو کرایہ بھی تو بڑھ جاتا ہے۔"

میں نے مزید پچاس روپے نکال کر بس کنڈیکٹر کو دیئے۔

یہ دیکھ کر بہت حیران سا ہو گیا تھا کہ اُس نے اپنے ایک ہاتھ سے پیسے لئے اور اپنی جیب میں ڈال لیے۔

"یہ تم نے اپنے ایک ہاتھ میں دستانے اس سخت گرمی میں کیوں پہن رکھے ہیں؟ تمہیں سردی بہت لگتی ہے کیا؟"

میں نے جب بس کنڈیکٹر کو یہ بات کہی تو اُس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا اور میں اُس کے جواب پر لاجواب ہو گیا تھا۔

"بھائی! میرا یہ بازو کام نہیں کرتا ہے تو اسی وجہ سے میں نے چھپایا ہوا ہے کہ یہ مصنوعی بازو ہے۔"

"اُس نے کہا

یہ کہہ کر وہ دیگر مسافروں سے کرائے کی رقم وصول کرنے لگا اور میں اُسے کام کرتے ہوئے حیرانگی سے دیکھ رہا تھا۔

اُس کا ایک ہاتھ سے رقم وصول کرنا اور کرائے سے زائد رقم کو واپس کرنے کا انداز ایسا تھا کہ میری نظریں مسلسل اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ جوں ہی وہ سب مسافروں سے رقم لے کر بس کے دروازے سے لگ کر کھڑا ہوا۔ مجھے اُس سے بات کرنے کا موقع مل گیا کیونکہ میں داخلی دروازے کے پاس ہی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ میں نے اُس سے گفتگو شروع کر دی۔

"آپ کا نام کیا ہے بھائی؟ کیا جان سکتا ہوں کہ آپ کہاں سے ہو؟"

میں نے سوال کیا۔

''میرا نام ذیشان ماگرے ہے اور میرا تعلق آزاد کشمیر سے ہے۔''

بس کنڈیکٹر نے جواب دیا۔

''ذیشان بھائی! آپ کے بازو کو کیا ہوا تھا؟''میں ایک معذور شخص کو یوں حلال روزی کماتے ہوئے دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ میری زندگی میں یہ پہلا ایسا شخص تھا جس نے مثبت سوچ اپنائی ہوئی تھی اور اپنی کمزوری یا کمی کو طاقت بنالی تھی۔ ذیشان ماگرے نے معذوری کو اپنی کمزوری نہیں بنایا اور ایسا کام کر رہا تھا جو کہ بظاہر دیکھنے میں مشکل تھا مگر وہ اپنی بھرپور صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے یہ کام کر رہا تھا۔ ذیشان ماگرے نے میرے سوال کو غور سے سنا اور ایک مسافر سے کرایہ وصول کرنے کے بعد میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے میرے سوال کا جواب دینا شروع کیا اور میں ہمہ تن گوش ہو کر اُس کے قصے کو سن رہا تھا۔

''یہ آٹھ اکتوبر 2005 کے دن کی بات ہے۔ جب ہمارے علاقے میں بہت خوف ناک زلزلہ آیا تھا۔ اُس وقت میں ابھی سو کر اُٹھا ہی تھا جب چھت کا کچھ حصہ ٹوٹا اور وہ میرے اُوپر آن گرا۔ اُسوقت میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی تھی۔ میں سر پر لگنے والی چوٹ سے بے ہوش ہو گیا تھا۔ جسے اللہ رکھے، اُسے کون چکھے کے مصداق ابھی میری زندگی کے دن باقی تھے تو بچ گیا۔ مگر میرا بازو اُس دن سے کام کرنا چھوڑ گیا۔''

ذیشان ماگرے کی بات سن کر میں سکتے میں آچکا تھا مگر پھر اُس کے حوصلے کو داد دی کہ اُس نے ہمت نہیں ہاری بلکہ حلال روزی کمانے پر شاباشی دی۔ ذیشان ماگرے نے ایک اور بات کہہ کر مجھے بہت کچھ سوچنے پر مائل کر دیا۔

''بھائی جان! میں ایف۔اے بھی ساتھ ساتھ کر رہا ہوں۔ یہ تو اپنی فیس کی ادائیگی اور خاندان کی کفالت کے لیئے کام کر رہا ہوں۔ ان شا اللہ کسی دن کوشش کر کے سرکاری نوکری بھی حاصل کر لوں گا۔''

اُس نے جس خوشی سے یہ بات کہی میں حیران ہو گیا تھا کہ دنیا میں کس کس طرح کے انسان موجود ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو کہ معمولی باتوں پر اپنے ساتھ زیادتی کر جاتے ہیں مگر یہاں ایک شخص اپنی معذوری کو اپنی طاقت بنا کر اپنے خوابوں کی تکمیل کی تگ ودو میں مصروف ہے۔

یہ خوش نصیب ہے جسے یہ علم ہے کہ اُس کے پاس کچھ ابھی باقی ہے اُسے کچھ چھن جانے کا افسوس نہیں تھا۔ اتنی دیر میں بہاولپور کا فوارہ چوک آچکا تھا۔ میں اپنی سیٹ سے اُٹھا اور ایک بار پھر ذیشان ماگرے کو شاباش دی پھر بس سے اُتر کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

شرارت کی سزا

فاکہہ قمر

فاطمہ اپنے بھائی علی سے مسلسل ضد کر رہی تھی۔پچھلے کچھ دنوں سے فاطمہ کے سر پر بکرے کا بھوت سوار تھا۔اس کی وجہ اس کی سہیلیاں تھی جو روز سیلفیاں بنا کر فاطمہ کو بھیجتی تھیں۔

اب فاطمہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا،وہ اب مزید انتظار نہیں کر سکتی تھی۔

آخر آج چاند رات تھی اس سے زیادہ اور کیا انتظار کیا جا سکتا تھا؟

باہر ہلکی ہلکی بونداباندی نے رنگ جمانا شروع کر دیا تھا۔

دوسری طرف فاطمہ کی ضد آسمان کو چھو رہی تھی۔علی بیچارہ درمیان میں چکی کی طرح پس کر رہ

''مجھے کچھ نہیں پتا۔بس آج۔ابھی اور اسی وقت''فاطمہ نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا بابا۔آج پکا۔''

علی نے جواباً کہا۔

''نہیں۔مجھے آپ کی بات پر یقین نہیں ہے۔آپ روز ایسے ہی کہتے ہیں۔''

فاطمہ نے خفگی سے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''میری پیاری گڑیا۔آج پکا۔''

علی نے فاطمہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''چلیں۔دیکھتے ہیں۔''

فاطمہ نے خوش ہوتے ہوئے سر ہلا دیا۔



گیا تھا۔

موسم کے بدلتے تیور کے باوجود علی چارو ناچار بکرا منڈی چلا گیا تھا۔

جلد از جلد اچھا جانور ملنے کی کوشش میں علی کو کالے رنگ کا ایک بکرا پسند آگیا تھا جس کے دام بھی مناسب تھے۔

علی نے جلدی سے سودا طے کیا اور بکرے کو اپنے ہمراہ لیے گھر آگیا۔

بکرے کے گھر آتے ہی فاطمہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چمن میں بہار آگئی ہو۔ ہر سو پھول کھل اٹھے ہو۔

فاطمہ پھولے نہ سما رہی تھی۔

بکرے کی خوب آؤ بھگت کی گئی۔ فاطمہ کو بکرے بہت پسند تھے۔ وہ بکرے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔

کبھی لاڈ کرتی تو کبھی تنگ کرتی۔ کبھی اس کا چارہ اس سے دور کرتی تو کبھی اسے اوپر اٹھواتی۔ فاطمہ کو یہ سب کرتے ہوئے بہت مزہ آرہا تھا۔

تب ہی فاطمہ نے چارہ اوپر کرتے بکرے کو تنگ کیا، ادھر بکرا اپنی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہوا اور اسی اثنا میں دیکھتے ہی دیکھتے فاطمہ کا ہاتھ پیچھے ہٹا اور بکرے کا پاؤں سیدھا فاطمہ کے پیٹ میں تلوار کی مانند گھس گیا۔

فاطمہ تو ایک جھٹکے سے دور جا گری۔

ایک زوردار دھماکے کی آواز کے ساتھ فاطمہ کی چیخ سنائی دی۔ اس افتاد پر گھر والے بھاگم بھاگ دوڑے چلے آئے۔

فاطمہ کو اس حالت میں دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔

زمین پر پیٹ پکڑے کراہتی ہوئی فاطمہ کی صدائیں بلند ہو رہی تھی۔

''ہائے! ہائے! امی! امی ی ی جی!''

پہلے پہل تو کسی کو کچھ سمجھ نہ آئی اور جب آئی تو خوب بھگدڑ مچ گئی کہ اللہ امان۔

سب فاطمہ کی طرف دوڑے۔

یوں ایک ہنستے بستے گھر میں چاند رات کو ایسا طوفان برپا ہوا کہ اللہ کی پناہ۔

اب فاطمہ بستر پر پڑی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لیے اپنی چاند رات کے غارت ہو جانے کا سوگ منا رہی ہے اور دل ہی دل میں پچھتا رہی ہے کہ اے کاش میں نے بکرے کو تنگ نہ کیا ہوتا تو یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا، جبکہ علی اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

کیا آپ بھی اپنے بکرے کو ایسے ہی تنگ کرتے ہیں؟ اگر کرتے ہیں تو بچ کے رہیں کہیں آپ کے بکرے کو غصہ نہ آجائے اور آپ بھی فاطمہ کی طرح بستر پر نہ پڑ جائیں۔

☆......☆......☆

محمد مقصود احمد شہیدؒ

غازی علم الدین شہیدؒ سے غازی عامر چیمہ شہیدؒ تک





قسط 12

غازی منظور حسین شہید رحمۃ اللہ علیہ

غازی عبدالعزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

”گردش دہر سے مجھ پر ایسا پر آشوب وقت آگیا کہ طرح طرح کے مصائب و آلام میں مبتلا ہوگیا۔ میرا ایک نوجوان فرزند غازی محمد منظور حسین ایک شقی القلب کلمہ گو شخص کے دست جفا سے بمقام عباسیہ متصل لکی مروت ضلع بنوں میں شہید ہوگیا۔ جبکہ وہ مع اپنے دو رفقاء کے ایک درخت کے سایہ میں میٹھی نیند سو رہا تھا۔ ظالم دشمن نے اسی حالت میں فائر کھول دیا اور وہ تینوں وجیہ نوجوان شہید ہوگئے۔ مرحوم بڑا شیر دل بہادر تھا، شہ زوری و شجاعت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ انگریزی میں بی، اے اور عربی، فارسی علوم میں فاضل اجل تھا۔ بڑا زاہد و عابد، متقی، بے ریا اور بے طمع صحیح معنوں میں مبلغ اسلام تھا۔“

قارئین کرام! یہ داستان ہمیں سنا رہے ہیں حضرت مولوی کرم الدین صاحب۔ جنہیں یہ اعزاز حاصل ہوا کہ ان کے لخت جگر نے ایک گستاخ رسول متعصب ہندو چوہدری کھیم چند کو موت کا پروانہ تھمایا تھا۔

غازی مولانا منظور حسین 1904ء میں ایک معروف علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین مرحوم کی پنجاب میں بہت شہرت تھی۔ ان کا تعلق ضلع چکوال کی ایک بستی ”بھیں“ سے تھا۔

غازی مولانا منظور حسینؒ نے بی، اے تک باقاعدہ انگریزی تعلیم حاصل کی۔ کالج کی زندگی میں آپ کو جسمانی قوت بڑھانے کا بہت شوق تھا۔اس میں آپ نے مہارت حاصل کی۔

کہا جاتا ہے کہ موٹر کار کو آپ سامنے سے سینہ لگا کر مضبوطی سے پکڑ لیتے تھے اور پھر خواہ کتنی رفتار سے چلائی جائے، روکتے تھے۔لوہے کی دو نصف انچ موٹی سلاخوں کو جوڑ کر اپنے بازو پر لپیٹ لیتے تھے اور ایک انچ موٹی سلاخ گردن سے لپیٹتے تھے۔کھڑے ہو کر ننگی چھاتی پر وزنی ہتھوڑوں کی ضربیں لگواتے تھے۔ ہاتھوں کی دو انگلیوں میں انڈے کو نوک کے بل رکھ کر توڑ ڈالتے تھے۔اس قسم کے غیر معمولی قوت کے کرشموں کا آپ نے بہت دفعہ مظاہرہ کیا تھا۔

گارڈن کالج راولپنڈی سے فارغ ہونے کے بعد بھی آپ نے پہلوانی کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن بعد میں قرآن کریم کی تلاوت اور اسلامی تاریخ کے مطالعہ نے آپ کے قلب میں زبردست انقلاب پیدا کر دیا تھا۔

انگریزوں کی تہذیب سے سخت نفرت ہو گئی۔ فرنگی اقتدار کے کسی اثر کو آپ برداشت نہ کرتے تھے۔اغیار کی غلامی میں رہنا آپ کے لئے سخت مشکل ہو گیا۔آپ نے پہلے اپنی اصلاح کی اور شریعت کے سانچے میں ڈھل گئے۔کالج میں چونکہ عربی پڑھائی جاتی تھی اس لئے قرآن و حدیث سے استفادہ آسان تھا۔والد مرحوم سے فقہ و حدیث کی بعض کتابیں پڑھ لیں اور تبلیغِ دین بھی شروع کر دی۔

جہاد بالسیف کا جذبہ آپ پر غالب تھا اور اللہ کی راہ میں شہید ہونا آپ کا سب سے بڑا شوق۔

1938ء میں مجاہد اسلام مولوی منظور حسین شہیدؒ نے خاکساروں کی طرز پر ان کے مقابلے میں ایک نئی تنظیم کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام ”خدام اسلام“ رکھا۔

”خدام اسلام“ کے لائحہ عمل کے طور پر ایک پمفلٹ ”خدام اسلام میدان عمل میں“ کے عنوان سے شائع کیا۔ یہ ہر لحاظ سے رضا کار فورس تھی۔اس کی باقاعدہ پریڈ ہوتی اور زیادہ زور اس بات پر دیا جاتا کہ معزز رکن کسی طور پر بھی اپنے تنظیمی رازوں کا کہیں انکشاف نہ کریں۔اس کے لئے باقاعدہ حلف وفاداری ہوا کرتا تھا۔

یہ تنظیم اگرچہ دور دور تک تو نہ پھیل سکی، لیکن اس کا دائرہ اثر چکوال، نزدیکی قصبات اور ارد گرد کے دیہات میں نہایت وسیع تھا۔غازی مولانا منظور حسین شہیدؒ کے غازی مرید حسین شہید سے دوستانہ مراسم تھے اور ان کی شہادت نے آپ کے جذبات کو مزید مہمیز عطا کی تھی۔

1941ء کی بات ہے۔تھانہ دُھمن کے ڈاک بنگلہ میں ایک متعصب ہندو چوہدری کھیم چند ایس ڈی چکوال مقیم تھا۔ یہ ریسٹ ہاؤس

چکوال سے جہلم روڈ پر خانپور قصبہ کے قریب واقع ہے۔ اس بدطینت کی مہاشہ راجپال آریہ سماجی سے، جسے غازی علم الدین شہیدؒ نے واصل جہنم کیا تھا، قریبی رشتہ داری تھی۔ اس کمینہ فطرت و دہن دریدہ ہندو نے شان رسالت مآب ﷺ میں بے ادبانہ الفاظ بکے تھے۔

اس بدبخت کو گستاخی کا مزا چکھانے کے لیے غازی صاحب اپنے ایک مخلص ساتھی ماسٹر عبدالعزیز کے ہمراہ رات کی تاریکی میں اس کے گھر گئے اور اس کی پیشانی پر پستول کا فائر کیا۔

گولیاں مارنے کے بعد ماسٹر صاحب نے سات برچھیاں لگائی، اتنے میں گستاخِ نبی اپنے منطقی انجام کو پہنچ چکا تھا۔ مقتول مردود کے نزدیک اس کی بیوی سوئی ہوئی تھی۔ دونوں مجاہدین نے اسے صرف اتنا کہا:

''ہم نے توہین رسول ﷺ کا انتقام لے لیا ہے، کچھ بھی ہو مگر مسلمان ابھی اتنے بے غیرت نہیں ہوئے کہ تاجدارِ مدینہ ﷺ کی بے عزتی پر چپ چاپ بیٹھے رہیں۔ دشمنانِ رسول سے نپٹنے کو ابھی غازی مرید حسین شہیدؒ کے احباب زندہ ہیں۔''

گستاخِ رسول چوہدری کھیم چند ہندو کو ٹھکانے لگا کر دونوں دوست وہاں سے بہ سلامت نکل آئے اور قبائل کے علاقہ غیر میں چلے گئے۔ جہاں آپ حضرت بادشاہ گل صاحب خلف مجاہد اعظم حضرت حاجی ترنگزئی صاحب کے پاس مقیم ہو گئے۔ کچھ مدت ایک اور مجاہد راہنما حضرت فقیر اپپی صاحب کے پاس بھی بسر کی۔

ادھر یہ ہوا کہ آپ کے غائب ہو جانے کے بعد والد صاحب اور دیگر بعض اقرباء کو پولیس نے بغرض تفتیش اپنی حراست میں لے لیا اور غازی ممدوح کے اس جرأت مندانہ اقدام کا سارا بوجھ آپ کے والد محترم قاضی محمد کرم الدین صاحب کے سر آ گیا۔

حالانکہ غازیوں نے کسی کو اس راز سے مطلع نہیں کیا تھا اور نہ ہی علاقہ غیر جانے کا بتایا تھا۔ مکانات، اسباب ضبط کر لیے گئے اور پولیس نے مولانا مرحوم پر دفعہ 182 کے تحت ایک مقدمہ دائر کر دیا۔ ان تمام معاملات کے باوجود والدِ محترم کو سب سے زیادہ مولانا منظور حسین شہیدؒ کی روپوشی کی فکر تھی، لیکن بعد میں جب خیر و خیریت کی خبر آ گئی تو آپ کو کچھ اطمینان ہو گیا۔

قبائلی علاقہ میں رہتے ہوئے آپ کے عزائم بہت بلند تھے کہ بزورِ طاقت کشمیر فتح کریں اور اس کے لئے آپ نے ایک منصوبہ بھی بنایا، مگر پھر ایک سال وہاں قیام کرنے کے بعد بعض عزائم کے پیش نظر اپنے دیگر چار رفقاء کی معیت میں وطن کی طرف لوٹے۔

سرفروش غازیوں کی یہ مختصر جماعت رائفلوں سے مسلح تھی۔ وزیرستانی قبائلی سے ہوتے ہوئے آپ نے بنوں کی سرحد کو عبور کیا اور موضع عباسیہ

تحصیل لکی مروت کے قریب ایک جگہ آرام کے لئے ٹھہرے۔ وہاں سے ماسٹر عبدالعزیز اور ایک دوسرے رفیق کو قریب کی بستی سے کھانا لانے کے لئے بھیجا گیا۔

اتنے میں کہیں سے پولیس کو خبر ہوگئی۔ چنانچہ دونوں کو وہاں سے گرفتار کرلیا گیا اور دوسب انسپکٹر پولیس کی مسلح گارڈ اور پبلک کی جمعیت ساتھ لے کر مولانا منظور حسین کے مقابلہ کے لئے نکلے۔

ادھر ان حضرات پر پہاڑوں کا طویل سفر طے کرنے کی وجہ سے تھکاوٹ غالب تھی۔ گرمی کا موسم تھا۔آپ ایک درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں رفقاء سمیت گہری نیند سو رہے تھے۔

پولیس نے ان مجاہدوں کو بیدار ہونے کا موقع ہی نہ دیا اور بے خبری میں ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کردی، اور یوں ان مجاہدوں کی سعید روحیں عالم بالا کو پرواز کرگئیں۔

یہ واقعہ 1944ء جولائی کا ہے۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے اسی گاؤں ”لکی مروت“ میں ایک وسیع قبرستان ہے، جس میں موجود ایک مسجد کے بالکل نزدیک مولانا غازی منظور حسین شہیدؒ کی قبر ہے اور لوح مزار پر ان کے مختصر احوال تحریر ہیں۔

غازی مولانا منظور حسین کے دوست ماسٹر عبدالعزیز صاحب چکوال کے باشندے تھے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد سکول میں ملازمت اختیار کرلی۔ باہمت اور دلیر جوان تھے۔مولوی منظور حسین کی رفاقت وصحبت نے آپ کے اندر بھی جہاد فی سبیل اللہ کی روح پھونک دی اور ہمہ تن جہاد کی تیاریوں میں لگ گئے۔ چوہدری کھیم چند کے قتل میں شریک ہوئے اور علاقہ غیر میں بھی مولانا منظور حسین کے ہمراہ تھے۔

گرفتاری کے بعد ماسٹر صاحب موصوف کو چکوال میں لایا گیا اور ایس ڈی او مذکور کا مقدمہ چلایا گیا۔اس کے نتیجے میں آپ کو سزائے موت کا حکم ہوا۔لاہور سنٹرل جیل میں چند ماہ تک پھانسی کی کوٹھڑیوں میں رہے۔

شب وروز ذکر وشغل میں مصروف رہے۔ اب آپ کی قلبی تمنا یہی تھی کہ زندہ دنیا میں واپس نہ جاؤں بلکہ اپنے رفقاء شہداء سے جا ملوں۔

پھانسی ہونے سے ایک روز پہلے اپنے اعزاء، اقرباء سے بڑی بشاشت سے ملاقات فرمائی اور ان کو صبر کی تلقین کی۔

صبح کو جب پھانسی کے لئے نکلے تو راستے میں سورۂ یٰسین بلند آواز سے نہایت اطمینان کے ساتھ تلاوت کرتے ہوئے اور نعرۂ تکبیر بلند کرکے تختہ دار پر لٹک گئے۔

☆......☆......☆



مفتی ندیم احمد قاسمی

عید الاضحیٰ

آداب، احکام اور فضائل

پیارے بچو! عید کی خوشی اللہ رب العزت کی طرف سے مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا تحفہ ہے۔ سال میں یہ دو عیدیں مسلمانوں کا سب سے بڑا تہوار ہوتی ہیں۔

لیکن اس عظیم ترین خوشی کے دن کے بھی آداب ہیں۔ یہ آداب اپنانا نہایت ضروری ہوتے ہیں۔ کیونکہ خوشی کے موقع پر بھی ایک حد تک پابند رہنا اور ایک دائرے میں خوشی منانا جائز ہے اس سے زیادہ بڑھنا مناسب نہیں۔

یہاں چند آداب ذکر کئے جائیں گے تاکہ آپ ان سے آگاہ ہوسکیں۔

(۱) عیدین کی رات میں عبادت کرنا

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو دونوں عیدوں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کی راتوں میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید پر قیام (عبادت) کرے، اُس کا دل اُس دن مُردہ نہیں ہوگا جس دن (لوگوں کے) دل مردہ ہوجائیں گے۔

(ابن ماجہ)

(۲) مسواک کرنا

خاص عید کے دن مسواک کرنا بھی سنت ہے۔ حضرت سعید ابن مسیبؒ نے فرمایا: عید کے

دن مسواک کرنا سنّت ہے۔

(مصنف عبدالرزاق)

(۳) غسل کرنا

عیدین میں نمازِ عید کے لیے جانے سے قبل غسل کرنا بھی سنت ہے۔

ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: عید الاضحی اور عید الفطر کا غسل دین کا حصہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی عیدین کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔ (ایضاً)

(۴) خوشبو لگانا

مردوں کے لیے عیدین میں خوشبو لگانا بھی سنت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یہ عید کا دن ہے، جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمایا۔ جو جمعے کے لیے آنا چاہے، وہ غسل کرلے اور اگر خوشبو میسر ہو تو لگا لے اور تم پر مسواک (بھی) لازم ہے۔ (ابن ماجہ)

(۵) عمدہ لباس پہننا

عیدین میں پسندیدہ ہے کہ جتنے لباس موجود ہوں، اُن میں سب سے عمدہ زیبِ تن کرے۔

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عیدین میں اپنے اچھے کپڑے پہنا کرتے تھے۔

(سنن کبریٰ بیہقی)

(۶) نمازِ عید سے قبل کھانا پینا

عید الاضحی میں نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں، حضرت نبی کریم ﷺ عید الفطر کے لیے اس وقت تک نہ جاتے تھے جب تک کچھ کھا نہ لیتے، اور عید الاضحی میں اُس وقت تک کچھ نہ کھاتے تھے، جب تک نماز ادا نہ کرلیتے۔ (ایضاً)

(۷) عیدگاہ سویرے جانا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم ﷺ عید گاہ کی طرف صبح (سویرے) کو جاتے اور نیزہ ان کے آگے لے کر چلتے اور عیدگاہ میں وہ ان کے سامنے نصب کیا جاتا، اس کے سامنے کھڑے ہو کر آپ ﷺ نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری)

(۸) عیدگاہ پیدل جانا

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

سنت یہ ہے کہ آدمی نمازِ عید کے لیے پیدل چل کر آئے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابورافع فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نمازِ عید کے لیے پیدل چل کر آتے تھے۔ (ابن ماجہ)

(۹) تکبیر تشریق پڑھنا

عیدالاضحی میں جب نماز کے لیئے نکلا جائے تو بلند آواز سے تکبیر کہنا مستحب ہے۔

(۱۰) راستہ تبدیل کر کے واپس آنا

عیدگاہ میں ایک راستے سے جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا سنّت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپسی میں راستہ بدل دیا کرتے تھے۔ (بخاری)

(۱۱) ایک دوسرے کو مبارک باد دینا

جبیر بن نفیرؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ عید کے دن ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو ایک دوسرے کو تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا و مِنکَ کہتے تھے۔ (فتح الباری)

(۱۲) قربانی نمازِ عید کے بعد کرنا

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (عید الاضحی میں) خطاب کرتے ہوئے سنا،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ہم سب سے پہلے نماز پڑھیں گے، پھر گھر واپس ہوں گے، پھر قربانی کریں گے۔

جس نے اس طرح کیا، اُس نے میری سنت کو پالیا۔ (بخاری)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے کہا:

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عید الاضحی کے دن نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا، پھر ذبح کیا، اور فرمایا: جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا تو اس کی جگہ پر دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے ذبح نہیں کیا تو وہ اب اللہ کے نام سے ذبح کرے۔

(بخاری)

(۱۳) قربانی کے گوشت سے ابتدا کرنا

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس لوٹ کر اپنی قربانی کے گوشت سے کھاتے تھے۔ (سنن کبریٰ بیہقی)

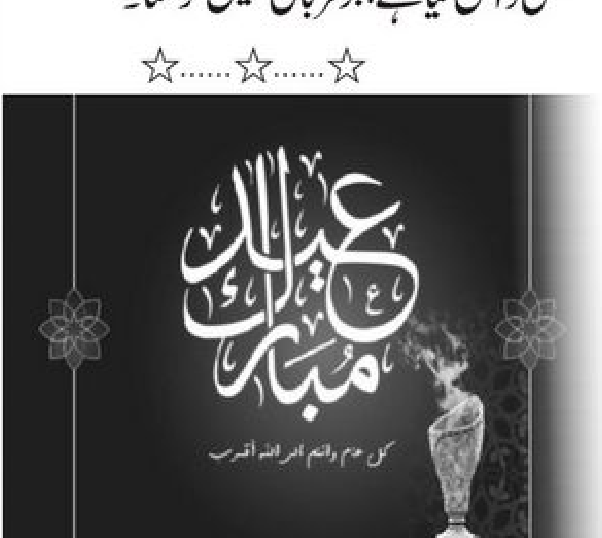
اس لیے عید الاضحی میں مستحب ہے کہ اولاً ہر شخص قربانی کے گوشت سے کھائے۔

یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا اور یہ حکم اصالۃً اس کے لیے ہے جو قربانی کرے۔

تاہم اگر ابتداءً کوئی اور شے کھالی، تب بھی گناہ نہیں ہوگا، صرف خلافِ اولیٰ ہوگا۔

بعض فقہا نے تبعاً اس حکم میں اس شخص کو بھی داخل کیا ہے، جو قربانی نہیں کرسکتا۔

☆......☆......☆





وہ بہت بڑے سپہ سالار تھے۔ان کا رعب و دبدبہ قابل دید ہوتا تھا۔حلیہ یہ تھا: اونچا قد، بھرا بھرا جسم اور روشن پیشانی۔ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔مسلمانوں کا لشکر مصر کے دروازے پر تھا۔محاصرے کو کئی روز گزر چکے تھے لیکن شہر فتح نہیں ہو رہا تھا۔سپہ سالار حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے۔انھوں نے امیر المومنین کو خط لکھ کر مزید مدد مانگی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چار ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر بھیجا۔جب یہ لشکر مصر کے دروازے پر پہنچا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ چونک پڑے۔آنے والے لشکر میں ان کی نظر ان پہ پڑ گئی تھی۔وہ ان کی قابلیت کو جانتے تھے چناں چہ انھوں نے سب کے سامنے اعلان کیا کہ آج تمھارا سپہ سالار یہ ہوگا۔

پھر انھوں نے ان سے ان کا نیزہ مانگا۔اپنی پگڑی اتار کر اس نیزے کے ساتھ باندھ کر جھنڈا سا بنا دیا پھر اسے لہراتے ہوئے بولے:

یہ تمھارا علم ہے اور یہ ہے تمھارا نیا سپہ سالار۔

انھیں بطور سپہ سالار دیکھ کر سبھی مسلمانوں میں جوش بھر گیا اور پھر مسلمانوں نے اسی روز ہی مصر فتح کر لیا۔

ان کی ذہانت اور عمدہ کارکردگی کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ شام کی فتوحات کے دوران انھوں نے ایک شہر لاَذِقیہ کی طرف کوچ کیا۔یہ ملکِ شام میں ساحل سمندر پر واقع ایک شہر ہے۔دشمن قلعہ میں چھپ گیا اور دروازے بند کر دیے۔اب ان کی ذہانت دیکھیے، وہ اپنے لشکر کو شہر سے دور

لے گئے اور اسے ایسے گڑھے کھودنے کا حکم دیا جس میں ایک آدمی اور اس کا گھوڑا اچھی طرح چھپ جائیں۔یوں سب نے لمبی لمبی خندقیں کھودیں۔جب یہ کام ہوگیا تو انھوں نے خود کو پسپا ہوتے دکھایا یعنی اپنے لشکر واپسی کی راہ لی تاکہ شہر والے سمجھیں کہ مسلمان تو واپس جا رہے ہیں۔

جب رات چھاگئی تو یہ لوگ اپنی چھاؤنی اور اپنی خندقوں کی طرف واپس آگئے اور ان میں چھپ گئے۔اہلِ لاَ ذِقِیَہ دھوکے میں یہ سمجھتے رہے کہ مسلمان محاصرہ ختم کر کے چلے گئے ہیں۔جب دن چڑھا تو انھوں نے اپنا دروازہ کھولا اور اپنے مویشی لے کر نکلے کہ اب تو خطرہ ٹل گیا ہے۔

ایسے میں مسلمان اچانک نمودار ہوئے اور دشمن انھیں دیکھ کر دہل گئے۔مسلمانوں نے ان پر چڑھائی کر دی اور دروازے سے شہر میں داخل ہوگئے اور اس کو فتح کر لیا۔

ان کی کنیت ابوالولید تھی۔وہ انصار میں سے ہیں۔ان کا شمار بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ کے شرکاء دونوں میں ہوتا ہے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتے تھے۔ان سے بہت سی احادیث بھی روایت کی گئی ہیں۔ان کا انتقال 72 برس کی عمر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا اور رملہ فلسطین میں دفن ہوئے۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات اور بلند فرمائے آمین ثم آمین۔

نوٹ: ان صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بتائیں اور معرفت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حاصل کریں۔

وہ کون تھے شمارہ ذوالقعدہ کا درست جواب:
حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا

وہ کون تھے؟؟

شمارہ ذوالقعدہ ۱۴۴۴ھ کے انعام یافتہ

فاطمہ بنت نصیر

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

محمد احمد سکھر، سعدیہ کلثوم، فاکہہ مشتاق، ارم عزیز، آمنہ مشتاق، حبیب احمد، نور الٰہی، بنت نور الٰہی محمد ہارون، عبد الماجد، مہوش فخر، گلزار احمد، ایمن شبیر، عمار حسین، کفایت اللہ، دانیال حسین۔

بنت عبد الہادی، محمد عمر چغتائی، ام رومان۔



دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال یہ ہے کہ عورت کو کتنی زبانیں سیکھنی چاہییں؟

☆خواتین کے لئے ایک زبان سیکھنا سب سے ضروری ہے، خاموشی کی زبان۔

ام ہانی

☆......☆......☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

جناب! میرا مسئلہ آج کل گھمبیر ہے کہ ہر پل تنہائی محسوس ہوتی ہے۔

اس کا کوئی حل ہے۔

☆ہر پل کے بعد بھی محسوس کرتے ہیں یا نہیں؟ علامات مکمل لکھا کریں تا کہ درست علاج تجویز کیا جا سکے۔

عبد القدیر

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

امید ہے آپ ٹھیک ہوں گے۔ میری عادت ہے کہ جب سو جاتا ہوں تو نیند میں بھاگنے لگتا ہوں۔ صبح جب اٹھتا ہوں تو ٹانگوں میں شدید درد ہوتا ہے گویا کہ ساری رات دوڑتا رہا ہوں؟

☆کوشش کیا کریں کہ نیند میں نرم جگہ بھاگیں سخت جگہ نہ بھاگا کریں پھر درد میں افاقہ ہوگا۔

محمد ابوبکر

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

بچوں میں اب کتابیں خرید کر پڑھنے کی حس ختم ہوتی جا رہی ہے؟ اس کا کوئی حل تجویز کریں؟

☆اس کا حل یہ کہ ان میں موبائل فون کی حس ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔

مریم بنت انیس

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ!!!

دوست نما دشمن سے کیسے بچا جائے؟

☆دوستی کو حدود میں رکھ کر

ہمشیرہ محمد احمد

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

عید قربان آ رہی ہے آپ کیا ذبح کر رہے ہیں اور کیا ہمیں بھی کچھ بھیجیں گے؟ جو بھی بھیجئے گا پکا کر بھیجئے گا۔

☆جی آنتیں آپ کے لئے بھیج دی جائیں گی۔

رابعہ میمونہ

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

عید کے بعد کوئی زبردست سی جگہ بتائیں جہاں ہم گھومنے پھرنے جا سکیں؟

☆جہاں جانوروں کی آلائشیں پھینکی گئی ہوں وہاں گھوم آئیں۔

محمد عمر فاروق

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

گوشت ہضم کا کوئی خاص طریقہ بتائیں۔ تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ گوشت انجوائے کر سکیں۔

☆گوشت ہضم کرنے کا سب سے مجرب طریقہ یہ ہے کہ جب بھی گوشت کھائیں اوپر سے تھوڑا سا گوشت کھائیں۔

محمد حنظلہ

☆......☆......☆





محترم جناب ابو امامہ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں کہ آپ نے مجھ ناچیز کی آرٹ کو اپنے معزز رسالہ میں جگہ دی۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اپنی آرٹ کو اس رسالہ میں دیکھ پاؤں گا لیکن آپ کا احسان مند ہوں۔

کچھ آرٹ کے ساتھ آپ کے رسالہ میں پھر آدھمکے ہیں اس طرح اچانک آنے کی معذرت۔

میری کوئی چیز اگر شائع ہونے کے قابل نہ ہو تو مجھے کوئی افسوس نہ ہوگا کیونکہ چیز اپنی جگہ خود بناتی ہے۔ بعض قارئین ایسی باتوں سے ناراض ہوجاتے ہیں میں ان کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کروں گا کہ بجائے مدیر اور ادارہ پر ناراض ہونے کے اپنی صلاحیات کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے ادارہ کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائیں اور امیر محترم کی خدمت میں مؤدبانہ سلام۔

اللہ ہمارے امیر محترم کی حفاظت فرمائیں۔آمین

ایک بات رہ گئی کہ ماشاءاللہ اس بار رمضان المبارک کے حوالے سے بہت اچھی سبق آموز تحریر تھی اللہ تعالیٰ ان سب لکھنے والوں کی قلم میں برکت عطاء فرمائے تاکہ مزید سے مزید لکھتے رہیں۔آمین

والسلام

(محمد علی، ڈیرہ نواب)

☆......☆......☆

محترم جناب ابو امامہ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہونگے اور عید کے چھٹیوں کے بعد رسالے کو اور زیادہ خوبصورت بنانے میں کوشاں ہونگے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے اور آپ کا دامن ہمیشہ خوشیوں سے بھرا رہے اور ہمارے اس دل وجان سے عزیز رسالے کو بلند پرواز کرنے والے شاہین کی طرح ہمیشہ بلند و بالا مقام عطا فرمائے۔

محترم مدیر بھائی جان! رسالہ سے واقفیت کو تو تین سال ہونے کو ہیں مگر لکھنے کی ہمت نہیں ہوئی کچھ عرصہ پہلے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ہم بھی رسالے میں کچھ لکھیں مگر ہماری نااہلی رکاوٹ بنی رہی۔ اب کچھ عرصہ پہلے قلم اٹھایا تھا آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ نے بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی۔

اب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہیں امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔

باقی آپ سے التجا ہے کہ آپ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ پاک مجھے عالمہ باعمل بنائے اور سعادت والی زندگی اور شہادت کی موت عطا فرمائے۔ آمین

آخر میں امیر محترم صاحب کو اور سعدیہ باجی کو عقیدت اور محبت بھرا سلام اور دعاؤں کی درخواست۔ والسلام

(عائشہ عبدالجبار، ساہیوال)

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے اللہ تعالیٰ سے کہ آپ اور مسلمان بچے کی سب ٹیم خیر وعافیت کے ساتھ ہونگے۔ اللہ پاک سب کو خوش اور سلامت رکھے آمین۔

بھائی جان! پہلی مرتبہ خط لکھنے کی جسارت کر رہی ہوں، امید ہے کہ آپ ہمیں مایوس نہیں کرینگے، کیونکہ آپ نے پہلے بھی ہماری کئی تحاریر شائع فرما کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اللہ پاک آپ کو دنیا اور آخرت میں نہایت جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

آپ کا پورا شمارہ زبردست رہا۔ ماشاءاللہ رمضان المبارک بہت اعلیٰ تھا اور آپ کے رسالے میں تمام کہانیاں اور مضامین بہت خوبصورت اور قابل عمل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے مجاہدین بھائیوں کی حفاظت اور مدد ونصرت فرمائیں اور ہمارے امیر المجاہدین بھائی جان مولانا مسعود ازہر صاحب کی زندگی اور ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔ ہمیں ان کے نقشِ قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

(کائنات، لاہور)

☆......☆......☆



آپ کی پسند

محمد ﷺ سا حسین

بہت چہرے حسیں دیکھے مگر ایسا نہیں پایا
تیرے آنے سے پہلے ساری دنیا میں اندھیرا تھا
تیری آمد پر اللہ نے جہاں سارے کو چمکایا
مبارک تجھ کو آمنہ ہوا روشن تیرا گھر ہے
تیری جھولی مبارک میں نبیوں کا نبی آیا
محمد ﷺ مصطفیٰ آئے، امام الانبیاء آئے
جسے ختمِ نبوت کا خدا نے تاج پہنایا
مہک تیرے پسینے کی عطر عنبر سے بہتر ہے
تیری خوشبو نے دنیا کے ہر اک گلشن کو مہکایا
حسیں یوسف بھی تھا لیکن تیرا حسن و جمال افضل
محمد ﷺ پاک ہیں احسن ہیں ہمیں قرآں نے بتلایا
کہا جبرائیل نے سدرہ ہے میری آخری منزل
بلند ہیں مرتبے تیرے خدا نے عرشوں پہ بلوایا
نبی کی پیاری زلفوں سے سیاہی رات نے مانگی
تیرے چہرے منور نے جہاں میں نور پھیلایا
خدا بھیجے مدینے میں تڑپ رہتی ہے سینے میں
خوشی ثاقب کو تب ہوگی جب اللہ پاک نے پہنچایا
محمد ﷺ سا حسیں کوئی زمانے میں نہیں آیا
بہت چہرے حسیں دیکھے مگر ایسا نہیں پایا

(انتخاب: حافظ شہباز اکبر، تونسہ شریف)

گستاخِ محمد ﷺ کی سزا

ہر فیصلہ عدل و وفا موت ہے بس موت
گستاخِ محمد ﷺ کی سزا موت ہے بس موت

زنداں میں حقیقت سے وہ بھاگا ہوا قیدی
اب اس کے لیے آب و ہوا موت ہے بس موت
ایک روز اسے ڈھونڈ ہی لے گی کوئی گولی
اب اس کے ٹھکانے کا پتہ موت ہے بس موت
قرآن سے سزا گستاخ ملعون کی پوچھی
ہر آیتِ قرآن نے کہا موت ہے بس موت
بے خوف نہیں ایک بھی لمحے سے وہ اپنی
ہر سانس اب اس کی بخدا موت ہے بس موت
کفار سے کتنی ہی سفارش وہ کرالے
اس کے لیے آغوش موت ہے بس موت
دولت کے پجاری کو بلاتا ہے جہنم
شہرت کے بھکاری کی سزا موت ہے بس موت
(انتخاب: محمد یوسف الاسلام حسنی، احمد پور سیال)

یورپ کی اندھی تقلید

سر تسلیم خم ہے ہر نئے فیشن پہ کیوں تیرا
کہاں جاتی رہی مسلم وہ تیری وضع خود داری
زمانہ نقل کرتا تھا تری وضع و ہیئت کو
مسلم تھی جہاں میں تیری دانائی وشیاری
تیرے قانون فطرت میں گدا وشاہ یکساں تھے
نرالا تھا جہاں سے تیرا آئینِ جہانداری
تیری ہمت کے آگے کوہ و دریا سب برابر تھے
ترا عزم اور استقلال کُل عالم پہ تھا بھاری
ستم ہے نام لیتے ہیں نصاریٰ کی عداوت کا
مگر نصرانیت اور مغربیت دل سے ہے پیاری

پھر بلا رہی ہے ہم کو وادیٔ کشمیر

پھر بلارہی ہے ہم کو وادیٔ کشمیر
یہ بتا رہی ہے ہم کو وادیٔ کشمیر
پھر بلا رہی ہے ہم کو وادیٔ کشمیر
ہورہے ہیں ظلم و ستم میرے ان مکینوں پر
چھارہے ہیں غم کے بادل میرے مہ جبینو پر
لٹ رہی ہے ان سے آج ان کی ہی جاگیر
پھر بلا رہی ہے ہم کو وادیٔ کشمیر
جگارہی ہے کب سے وہ سارے مسلمانوں کو
دکھا رہی ہے سب ظلم وہ پیارے ان جوانوں کو
کیوں نہیں ہیں جاگ رہے میرے ہی دلگیر
پھر بلا رہی ہے ہم کو وادیٔ کشمیر
لڑرہے ہیں دین دشمن وادیٔ کشمیر میں
کررہے ہیں تباہ چمن وہ وادیٔ کشمیر میں
سب اٹھا لو اے مجاہدو ہاتھوں میں شمشیر
پھر بلا رہی ہے ہم کو وادیٔ کشمیر
کئی پیارے کئی دلارے ہوچکے ہیں قربان
اپنے ہی کشمیر کی خاطر دے چکے ہیں جان
حق سے بھائی باطل کی توڑ دو زنجیر
پھر بلا رہی ہے ہم کو وادیٔ کشمیر
(انتخاب: عبدالماجد)



تحریروں کی دنیا

ابا جان! کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے

کہتے ہیں کہ ایک چور نے اپنے بچے کو مدرسے میں بٹھادیا، قاری صاحب روزانہ درس کے بعد بچوں کی ذہنی تربیت فرماتے تھے، ایک مرتبہ قاری صاحب اللہ تعالیٰ کے پیارے صفاتی ناموں میں سے البصیر پر بیان کر رہے تھے کہ وہ ذات خوب دیکھنے والی ہے ہم کہیں بھی اس سے چھپ نہیں سکتے۔ اللہ رب العزت ہر جگہ ہر ایک کو ہر وقت دیکھتے ہیں۔

یہ بات بچے کے دل میں گھر کرگئی۔

ایک دن یہ چور اپنے بیٹے کو لے کر سفر کر رہا تھا جب وہ انگور کے باغ کے قریب سے گزرا تو باپ کا دل للچایا اور اس نے چاہا کہ کچھ انگور کھاؤں۔

چنانچہ اس نے بیٹے کو ایک جانب کھڑا کیا اور کہا، بیٹا تم یہاں کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھتے رہنا تاکہ کوئی آنے لگے تو پتہ چل جائے جب باپ انگور توڑنے کے لیے گیا تو وہ ابھی باغ کے قریب ہی پہنچا تھا کہ بچے نے شور مچایا دیا، کہنے لگا۔

"یاابی یاابی احدیرانا"

اے ابا جان! اے ابا جان! کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے۔ جب اس نے یہ کہا تو باپ ڈر کر

پیچھے کی طرف بھاگا، اس نے بچے کے پاس آکر ادھر ادھر دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا، وہ کہنے لگا کون دیکھ رہا ہے؟

بیٹے نے کہا: ابا جان اگر کوئی بندہ نہیں دیکھ رہا تو بندوں کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔ یہ سن کر باپ پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چوری سے توبہ کرلی۔ (شذرات)

(انتخاب: ہمشیرہ سمیع اللہ صدیقی)

حکمرانوں کے سامنے احقاق حق

امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں کہ کافی پرانی بات ہے، پاکستان بنے ہوئے ابھی تیرہ چودہ سال ہوئے تھے۔ ایک بڑا موٹا ڈی سی ہوتا تھا، اس نے ایک اسکول میں معززین شہر کو جمع کیا اور مولویوں کو بھی بلایا۔ مجھے بھی دعوت ملی، میں بھی گیا۔ اس نے تقریر کی اور معاشرے کی خرابی کی ذمہ داری ساری مولویوں پر ڈال دی کہ یہ لوگوں کی اصلاح نہیں کرتے۔ میں نے اٹھ کر کہا، ڈی سی صاحب آپ ہمارے ضلع کے بڑے افسر ہو اور اس وقت ہمارے مہمان ہو، ہم آپ کی قدر کرتے ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ یہ سینما گھر مولویوں نے بنوائے ہیں یا حکومت نے؟ یہ مینا بازار اور جمعہ بازار مولوی لگوتے ہیں یا تم؟ یہ مخلوط تعلیم مولویوں نے شروع کی ہے یا تم نے؟ یہ کلب مولویوں نے کھلوئے ہیں یا تم نے؟ مجھے ایک ساتھی نے کہا، ڈی سی ہے، میں نے کہا جب اس نے بات کی ہے تو مجھے بھی کرنے دو۔ سارا نزلہ مولوی پر گرتا ہے۔ مولوی کے پاس زبان کے سوا اور ہے کیا؟ طاقت تمہارے پاس، حکومت تمہارے پاس، ڈنڈا تمہارے پاس، اختیارات تمہارے پاس، یہ سارے بدمعاشی اڈے تم نے قائم کیے ہیں۔ اخبارات میں غلط قسم کی خبریں چھپتی ہیں جن کو پڑھ کر نوجوان طبقہ ڈاکو بنتا ہے، وہ اخبارات تمہارے کنٹرول میں ہیں، آج اکثریت ڈاکوؤں کی کالجیٹ (کالج کے پڑھے ہوئے طلباء) ہے حکومت ان کو ملازمت نہیں دیتی، ان کی مدد نہیں کرتی، وہ یہی کام کرتے ہیں۔ جاہل اور ان پڑھ ڈاکو بہت کم ہیں۔ تم مولویوں کو کوستے ہو، اس میں مولویوں کا کیا گناہ ہے؟ (ذخیر الجنان)

(انتخاب: بنتِ اکرم)

سونے کے آداب

جب رات کو سونے کے لیے بستر پر آئے تو باوضو ہو اور اپنے کپڑے کے گوشے سے بستر جھاڑ دے اور داہنی کروٹ پر لیٹے اور یہ دعا پڑھے۔

"اللھم باسمک اموت واحییٰ"

یعنی اے اللہ میں تیرا نام لے کر مرتا اور جیتا ہوں۔ (بخاری)

چہارم کلمہ

رات کو سوتے وقت ایک دفعہ پڑھنے سے دن بھر کے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہو۔ (ابن ماجہ عن علی)

فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے کہ جب تو نے بستر پر اپنا پہلو رکھا اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھ لی تو موت کے علاوہ ہر چیز سے امن میں ہو گیا۔

بندہ جب بستر پر آتا ہے تو فرشتہ اور شیطان فوراً اس کے پاس آتے ہیں۔ فرشتہ کہتا ہے اپنی بیداری والے وقت کو بھلائی اور ذکر پر ختم کر اور شیطان کہتا ہے اسے برائی پر ختم کر۔ پھر اگر وہ اللہ کا ذکر کر کے سویا تو فرشتہ رات بھر اس کی حفاظت کرتا ہے۔ (نسائی)

جو سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھتا ہے وہ اللہ کی رحمت کی چوکھٹ پر سوتا ہے۔ صبح تک رحمت کے دروازے اس پر کھلے رہیں گے اور اس کے بدن پر جتنے بال ہونگے ہر بال کے عوض اس کو نور کا ایک شہر ملے گا اگر اسی شب کو اس کا انتقال ہو جائے تو شہید مرے گا اور چالیس حج کا ثواب لکھا جائے گا، سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھنے سے اللہ اس کو اور اس کے پڑوسی کو اور اس کے پڑوسی کے پڑوسی کو اور تمام مکانوں کو جو اس کے ارد گرد ہیں امن میں رکھے گا۔

پاک بستر

جو آدمی پاک بستر پر لیٹے، ساری رات کو اس کی ہڈیاں سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھتی رہتی ہیں اور اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا ہے اور اگر کپڑے اور جسم بھی پاک ہو تو ایک ایک فرشتہ اس کے کپڑوں میں گھس جاتا ہے اور ساری رات وہ فرشتہ عبادت کرتا ہے جو اس بندے کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

محاسبہ

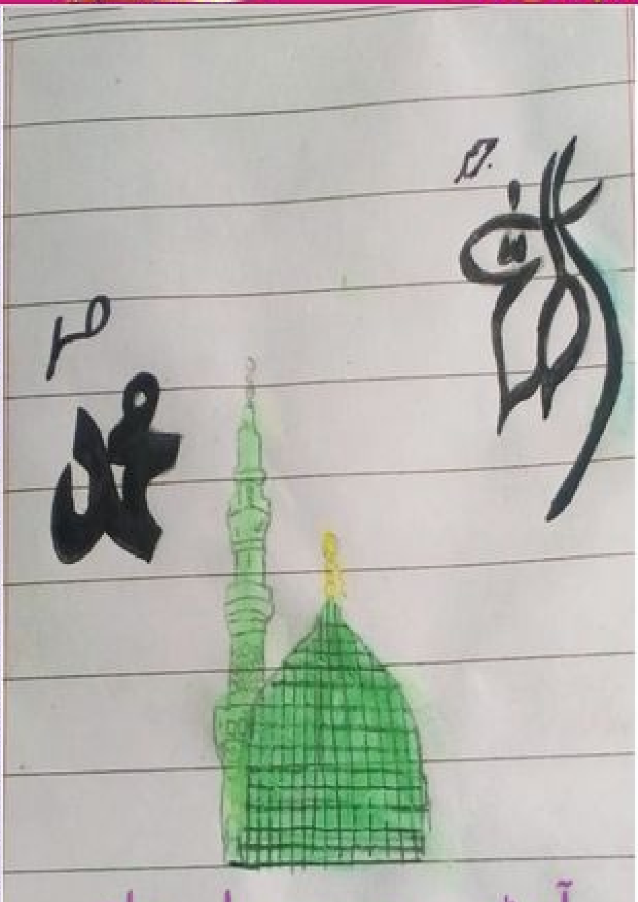
اب لیٹنے کے وقت صبح سے لے کر رات تک جو نیکیاں کی ہیں ان پر شکر کرلو کہ:

اے اللہ! میں تو یہ نہیں کرسکتا تھا آپ نے کروادیں، نمازیں با جماعت پڑھوادیں، فلاں فلاں نیکیوں کی توفیق دے دی۔ اے اللہ! کل بھی یہی توفیق دے دیجئے گا۔ کوئی غلطی یاد آئے اس پر استغفار کرلو، ایمان کی تجدید کر کے سویا کرو، ایمان مفصل پڑھ کر سویا کرو۔ سب کو معاف کر کے سویا کرو۔ ذکر کرتے ہوئے سویا کرو۔

(عمل الیوم واللیلۃ)

(انتخاب: محمد سلیمان عاصی)





آرٹ . محمد بن اسحاق
پنجگرائیں



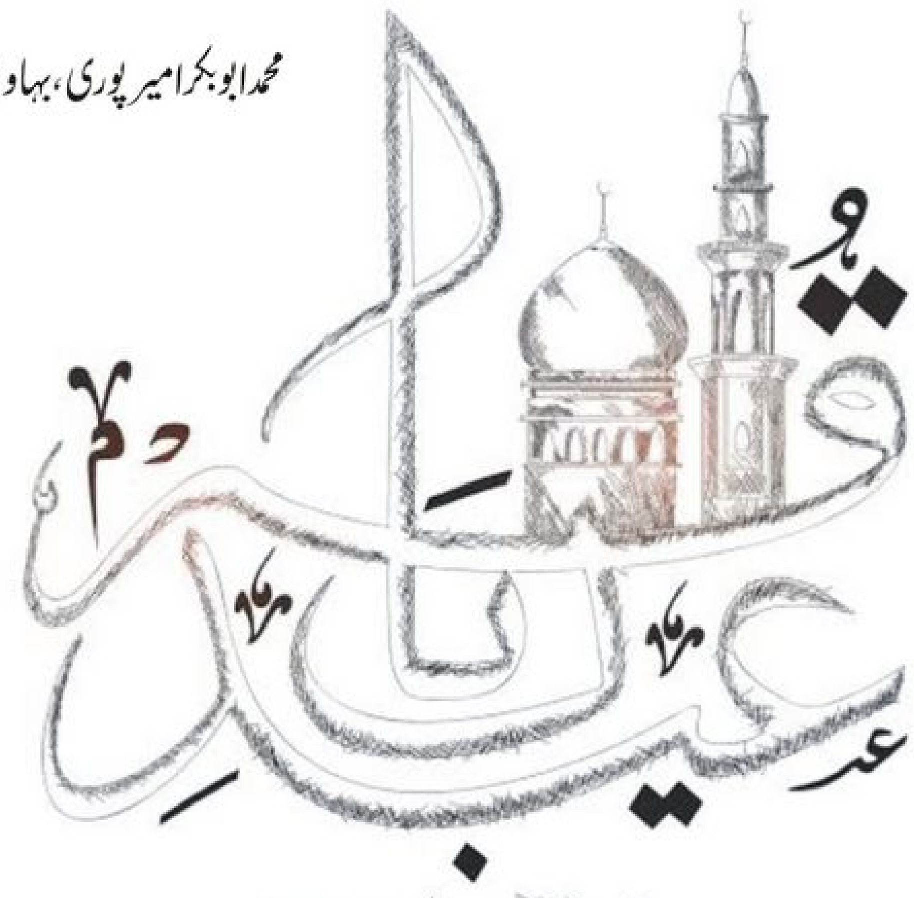



گلی گلی نگر نگر مسعود اظہر مسعود اظہر
مسعود اظہر مسعود اظہر
الجہاد
مولانا محمد مسعود اظہر
مفتی محمد مقصود احمد
آرٹ محمد مقصود احمد


مسلمان بچے
کو
عید الاضحیٰ
مبارک
Mona jan



محمد ابوبکر امیر پوری، بہاولپور



اُمّت کی پُکار



یہ زندگی جو آج ہے دشوار نہ ہو گی
پاؤں میں بیڑیوں کی یہ جھنکار نہ ہو گی
تم اٹھ گئے تو سلسلہ دار نہ ہو گا
تم چل دیے تو قید کی دیوار نہ ہو گی
گردن جھکی رہے گی غلامی کے طوق سے
جب تک تمہارے ہاتھ میں تلوار نہ ہو گی
شمشیر سے چراغ جلاؤ گے جس جگہ
تا حشر اس زمیں پہ شب تار نہ ہو گی
پھر اس کے بعد ہوگا اجالا ہی اجالا
نور سحر کی راہ میں دیوار نہ ہو گی
سوتے رہے تو ہوتے رہو گے یونہی ذلیل
تم اٹھ گئے تو ظلم کی یلغار نہ ہو گی
تب تک رہے گی پاؤں میں زنجیر غلامی
جب تک یہ قوم نیند سے بیدار نہ ہو گی
بابرؒ سا جوش و جذبہ و ایمان پیدا کر
پھر تیرے دل میں خوف کی بھرمار نہ ہو گی

ہمشیرہ بابر آفریدی شہیدؒ